قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

# ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۳۰

کراچی ، ہفتہ ۔ ۲۷ ۔ اگست ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

## قرآن نے کیا کہا؟

سابقہ اشاعت میں یہ حقیقت ہمارے سامنے آچکی ہے کہ صحیح نظام معاشرہ میں، ہر فرد کے رزق کی ذمہ داری ''اللہ'' پر عائد ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ''اللہ'' کی یہ ذمہ داری پوری کس طرح سے ہوتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ خارجی کائنات میں خدا کا قانون از خود جاری و ساری ہے۔ کسی چیز کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ جی چاہے تو اس قانون کی پابندی کرے اور جی چاہے تو اس سے انکار کردے۔ لیکن انسانوں کی دنیا میں یہ پابندی از خود نہیں ہوتی۔ اسے خود اختیار کرنا ہوتا ہے۔ یہ مقصد اس جماعت کے ہاتھوں سر انجام پاتا ہے جو دنیا میں احکام خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے وجود میں آتی ہے۔ لہذا انسانوں کی دنیا میں ''اللہ کی ذمہ داریاں'' اس نظام کے ہاتھوں پوری ہوتی ہیں جو خدا کے احکام کو دنیا میں نافذ کرتا ہے۔ خدا انہیں براہ راست (از خود) پورا نہیں کیا کرتا۔ اس حقیقت کو سورہ یاسین میں اسطرح واضح کیا کہ ۔ واذا قیل لهم انفقوا مما رزقكم الله جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں دے رکھا ہے اسے مفاد عامہ کے لئے کھلا رکھو تو ۔ قال الذین کفروا للذین آمنوا انطعم من لو یشاء الله اطعمه ۔ تو جو لوگ صحیح نظام سے انکار کرتے ہیں وہ جماعت مومنین سے کہتے ہیں کہ کیا ہم انہیں کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کھلا دیتا؟ اس کے جواب میں کہا گیا کہ ان انتم الا فی ضلال مبین (۳۶/۴۷) ۔ تم لوگ کیسی حماقت کی باتیں کرتے ہو۔ خدا کسی کو براہ راست نہیں کھلایا کرتا۔ اسکا انتظام ہمارے تمہارے ہاتھوں سے کرایا کرتا ہے۔

### طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

**ہمارا مسلک یہ ہے کہ** ..................

1. تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے اس لئے نوع انسانی قرآن کے بغیر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔
3. حق و باطل کا معیار قرآن ہے۔ جو بات بھی قرآن کے خلاف ہوگی خواہ وہ کسی کی طرف منسوب ہو غلط ہے۔
4. حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن بعض لوگوں نے حضور کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ایسے تمام بیانات خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا معیار خود قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک ہی نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد و معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
8. ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

**ہمارا مقصد یہ ہے کہ** ..................

پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی پوشیدہ صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

**اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے**

### اس شمارے میں

★ لمعات
★ اسوۂ حسنہ
★ میرے بھی صنم خانے
★ جدید ارباب شریعت کی دیانت
★ تاریخی شواہد
★ اسلام کی سرگزشت
★ مجلس اقبال
★ عورت کا قرآن
★ پاکستان غیروں کی نظر میں
★ ناقابل فراموش حقیقتیں
★ وہ اندھا جسنے پوری قوم کو آنکھیں دیں
★ نقد و نظر
★ باب المراسلات
★ عالم اسلامی
★ بین الاقوامی جائزہ

As. -/6/-

## اسلامی نظام

قیمت -/-/۲ روپے

## اقبال اور قرآن

اقبال نے جو کچھ سمجھا قرآن سے سمجھا اور زبان شعر میں قرآنی پیغام لوگوں تک پہنچایا ۔

قرآن کے حقائق کیا ہیں اور اقبال کا پیغام کیا ہے؟ اس کا جواب ''اقبال اور قرآن'' میں ملیگا ۔

صفحات ۲۵۶　　　قیمت دو روپے

## فردوس گم گشتہ

مفسر قرآن اور ترجمان اقبال جناب پرویز کے دلکش مضامین اور سحر آور تقاریر کا مجموعہ ۔ نوجوان طبقہ کے لئے فکر و عمل کی نئی دعوت ۔

صفحات ۳۱۲　　　قیمت چھ روپے

## اسباب زوال امت

قیمت -/۸/۱ روپیہ

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷ - کراچی - ۳

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

# طلوع اسلام

جلد ۸ | کراچی۔ ہفتہ، ۲۰ر اگست ۱۹۵۵ء | نمبر ۳۰

# اُسوۂ حسنہ

## (ارباب شریعت کی خصوصی توجہ کیلئے)

رسول اللہؐ خدا کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات (دین) لائے جس پر سب سے پہلے حضورؐ نے خود عمل فرمایا۔ آپ کے اس عمل کو عام اصطلاح میں سنت کہا جاتا ہے۔ جس کا تحریری ریکارڈ احادیث کے ان مجموعوں میں ملتا ہے جو مختلف ائمہ حدیث نے وقتاً فوقتاً مرتب کئے۔ چونکہ یہ مجموعے حضورؐ کی وفات کے بہت بعد مرتب ہوئے۔ اس لئے ان میں صحیح باتوں کے ساتھ غلط باتیں بھی شامل ہو گئیں۔ چونکہ رسول اللہؐ کی ساری زندگی قرآن ہی کے اتباع میں گذری تھی۔ اور قرآن ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ اس لئے ان مجموعوں میں جتنی باتیں ایسی ہیں جو قرآن کے خلاف نہیں جاتیں۔ ان کے متعلق تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ اس طرح قرآن کی روشنی میں اس ریکارڈ سے رسول اللہؐ کی ایسی سیرت ہمارے سامنے آجاتی ہے جو ہمارے لئے زندگی کی تاریکیوں میں شمع ہدایت اور تمام نوع انسانی کے لئے روشنی کے جگمگاتے مینار کا کام دیتی ہے۔ اسی کو رسول اللہؐ کا اسوۂ حسنہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ ماڈل جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان زندگی کے مقصود و منتہیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ طوبیٰ لھم وحسن مآب۔

جزئیات کو چھوڑ کر بہ حیثیت مجموعی حضورؐ نے جس انداز کی زندگی بسر کی۔ اس کے متعلق علامہ شبلی نے مختلف کتب آیات وسیر کے حوالوں سے سیرۃ النبی (جلد اول) میں حسب ذیل تفصیل لکھی ہے۔

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت جب تک مکۂ معظمہ میں تھے تو پیغمبر تھے۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر نگیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش تھے۔ صحیح بخاری، باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جو پر گرو تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زر و مال کا سیلاب آچکا ہے۔ . . . . حضرت عائشہ فرماتی ہیں ولا یطوی لہ ثوب کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑہ کپڑا ہوتا تھا۔ دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہہ کر کے رکھا جا سکتا۔

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سوتا تھا۔

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویا ھو واھلہ لا یجدون عشاء

آپ اور آپ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے۔ کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہ نے ایک موقعہ پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور۔ البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں کبھی نظر سے نہیں گذرا۔ سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ کے زمانہ میں چھلنیاں نہیں تھیں؟ بولے نہیں۔ لوگوں نے کہا پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے۔ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے۔ جو رہ جاتا تھا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے تھے

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔

ایک دفعہ صحابہ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے۔ آپ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے۔

(ص۳۴۹ تا ص۳۵۲)

یہ تو رہا زندگی بھر کا معمول۔ اب عمر کے آخری وقت کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے۔

بیہقی کی روایت ہے کہ اس بیماری (مرض الموت) کے ایام میں حضورؐ کے پاس سات دینار تھے۔ اور حضور فرماتے تھے کہ انھیں صدقہ کر دو۔ لیکن اس کے بعد حضور پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپ کی تیمار داری میں مصروف ہو گئے۔ آپ کو ہوش ہوا تو فرمایا کہ انھیں لے آؤ۔ دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ محمدؐ کا اپنے رب پر کیا گمان ہوگا جب کہ وہ اپنے رب سے ملے اور اس کے پاس یہ ہو۔ پھر حضورؐ نے انھیں خود صدقہ کر دیا۔

(اصح السیر۔ مولانا عبدالرؤف داناپوری ص۲۵۰)

نیز سیرۃ النبی شبلی حصہ اول (ص۱۷۹)

یہ تھی وفات کے قریب کی مالی حالت۔ وفات کے بعد (ترکہ) کے متعلق اسی اصح السیر میں ہے

"یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مرض الموت میں وفات کے قریب حضورؐ کے پاس کل سات دینار تھے۔ اس کو خود حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے صدقہ کر دیا تھا۔ چند مکانات تھے۔ وہ ازواج مطہرات پر بٹے ہوئے تھے اور انھیں کے قبضے میں تھے . . . . کچھ زمینیں تھیں۔ جلیل القدر اصحاب میں اس کی ملکیت کے متعلق اختلافات ہیں مگر صحیح یہی ہے کہ وہ فئی یا صدقہ کی زمینیں تھیں۔ اور من جانب اللہ اس پر تصرف کا حضورؐ کو کامل اختیار تھا۔ لیکن وہ ذاتی ملکیت نہ تھی جس میں وراثت جاری ہو سکے

حضرت عائشہ فرماتی ہیں

ما ترک رسول اللہ درھماً ولا دیناراً ولا شاۃ ولا بعیراً ولا اوصی بشیٔ (رواہ مسلم) حضورؐ نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار۔ نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عمرو بن الحارثؓ کی روایت بخاری میں ہے ما ترک رسول اللہ عند موتہ دیناراً ولا درھماً ولا عبداً ولا امۃ ولا شیئاً الا بغلۃ البیضاء وسلاحہ وارضاً جعلھا صدقۃ رسول اللہ

نے وفات کے وقت نہ دینار چھوڑا، نہ درہم۔ نہ غلام نہ لونڈی نہ کوئی اور شے۔ لیکن ایک سفید خچر اور سلاح جنگ اور زمینیں جسے حضورؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔" (ص ۵۲۵)

علامہ شبلی نے متروکات کے عنوان کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا ہے۔

آنحضرتؐ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات و جائدادیں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے کہ لانورث ما ترکنا صدقۃ ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے (ص ۱۸۵)

(اس کے بعد انھوں نے بھی اپنی روایات کو درج کیا ہے۔ جو اوپر لکھی جا چکی ہیں۔)

یہ ہے حضورؐ کی معاشی زندگی کا وہ مجموعی نقشہ جو کتب روایات کی رو سے مرتب ہوتا ہے یہ روایات احادیث کے مختلف مجموعوں میں ہیں۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے) ان کی صحت کے متعلق کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ ان سے یہ واضح ہے کہ۔

(۱) نبی اکرمؐ نے دنیا (بادشاہی کے زمانہ میں بھی) نہایت سادہ زندگی بسر فرمائی۔ ایسی سادہ کہ حضورؐ نے کبھی فالتو جوڑا کپڑوں کا بھی نہ رکھا۔

(۲) حضورؐ نے اپنے پاس کبھی مال جمع نہیں کیا۔ جو کچھ آتا تھا، اس سے اپنی کم از کم ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی رفاہ عامہ کے لئے صرف کر دیتے تھے

(۳) حضورؐ نے کوئی جائداد یا مال ترکہ میں نہیں چھوڑا جو کچھ اشیائے مستعملہ میں سے چھوڑا اس کے متعلق بھی فرما دیا کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہیں۔

ہمارے نزدیک حضورؐ کی حیات طیبہ کا یہ نقشہ اس لئے صحیح ہے کہ یہ قرآن کے منشا کے عین مطابق ہے حضورؐ جس قرآنی نظام کے قیام کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس میں نہ روپیہ جمع کرنے کی اجازت ہے۔ نہ زمین وغیرہ پر ذاتی ملکیت جائز اور جب یہ صورت ہو کہ نہ کسی کے پاس جمع شدہ روپیہ ہو اور نہ ہی ذاتی جائداد تو پھر ترکہ اور وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (قرآن میں وراثت کے جو احکام ہیں وہ اس عبوری دور کے لئے ہیں جس میں ہنوز وہ نظام قائم نہ ہوا ہو۔ ویسے بھی وراثت کے احکام اسی پر نافذ ہوں گے جو ترکہ چھوڑ کر مرے۔ جس کا کچھ ترکہ ہی نہ ہو اس پر ان احکام کا اطلاق ہی نہیں ہوتا) باقی رہی سادگی یا غریبی کی زندگی سو اسلام آسائش اور خوش حالی کی زندگی سے منع نہیں کرتا۔ لیکن حضورؐ جس قرآنی نظام کے داعی تھے اس میں آپ خوش حالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک باقی تمام افراد بھی اتنے ہی خوش حال نہ ہو جاتے۔ آج بھی اگر کوئی جماعت اس نظام کے قیام کے لئے اٹھے گی۔ تو اسے اس قسم کے فقر و فاقہ کو اپنے سر لینا ہو گا۔ اس میں صدر مملکت یا مرکز نظام کی زندگی سب سے زیادہ سادگی اور غریبی کی زندگی ہو گی۔ البتہ جوں جوں معاشرہ خوش حال ہوتا جائے گا تو وہ بھی اسی نسبت سے خوشحالی کی زندگی بسر کرے گا۔ اس نظام کے السابقون الاولون کے لئے تو پیہم محنت و مشقت اور عسرت و افلاس کی زندگی ہوتی ہے اور یہ سب کچھ ان کا اپنے اوپر خود عائد کردہ ہوتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وہ خود عائد کردہ عسرت تھی جس کی وجہ سے حضورؐ اس قدر غریبی کی زندگی بسر فرماتے تھے۔

بہرحال یہ بات ہم نے محض ضمناً لکھدی ہے جو کچھ ہم کہہ رہے تھے وہ یہ تھا کہ حضورؐ کی زندگی کا جو نقشہ کتب سیرت سے مرتب ہوتا ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ یہاں سے ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب رسول اللہؐ کی زندگی یہ تھی تو اسی کو امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہونا چاہیئے۔ لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ حضورؐ کی اس زندگی کے متعلق وعظوں اور خطبوں میں تو بہت کچھ کہا جاتا ہے لیکن اسے بطور سنت یا اسوۂ حسنہ پیش نہیں کیا جاتا، نہ ہی اس پر عمل کیا جاتا اور کرایا جاتا ہے۔ سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین ضرور کی جاتی ہے لیکن از روئے شریعت جن باتوں کو ممنوع بتایا جاتا ہے وہ صرف مردوں کے لئے سونا اور ریشم پہننا اور چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا پینا ہے جہاں تک مال جمع کرنے کا تعلق ہے یہ کھلے بندوں کہا جاتا ہے کہ نہ اس پر کسی قسم کی پابندی ہے۔ نہ کوئی حد بندی۔ جائز ذرائع سے جس قدر مال جمع کر لیا جائے، شریعت کی رو سے بالکل درست ہے بشرطیکہ اس میں سے زکوٰۃ نکال دی جائے۔ اسی طرح ترکہ میں بھی جس قدر مال اور جائداد چھوڑی جائے سب جائز ہے بس اس کی تقسیم شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ہونی چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر لاکھوں روپے جمع کر کے رکھ لینے میں کوئی ہرج نہیں اگر ان میں سے زکوٰۃ دیدی جائے اور بے حد و نہایت جائداد بنا لینے اور اسے چھوڑ مرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ میراث کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہو جائے تو پھر نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ سے کیا مفہوم ہے؟ اور وہ کن کے لئے اسوہ ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس قسم کی زندگی صرف رسول اللہ کے لئے مختص تھی۔ عام مسلمانوں کے لئے نہیں تھی تو ایک تو یہ اس لئے صحیح نہیں کہ جتنے احکام رسول اللہ کی ذات سے مخصوص تھے قرآن نے ان کی خود تصریح کر دی ہے۔ مثلاً ازواج مطہرات کو تبدیل نہ کر سکنے کا حکم یا ان کے امہات المومنین ہونے کا حکم۔ قرآن نے اس کی تصریح کہیں نہیں کی کہ حضورؐ نے جس قسم کی مالی زندگی بسر فرمائی تھی۔ وہ ان احکام کے تابع تھی جو حضورؐ کے لئے مختص تھے۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر حضورؐ کی یہ ساری زندگی احکام خصوصی کے تابع تھی جن کا اطلاق دوسرے مسلمانوں پر نہیں تھا تو یہ زندگی امت کے لئے اسوہ کس طرح بن سکتی ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ کی زندگی مکمل اسلام کی مظہر تھی جس تک امت کے افراد نہیں پہنچ سکتے۔ تو پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ زندگی جس تک پہنچنا، دوسرے افراد کے لئے ناممکن ہو وہ ان کے لئے اسوہ (ماڈل) کیسے بن سکتی ہے؟ یہ تصور قرآنی تعلیم کے بھی خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ چونکہ دنیا میں انسان بستے ہیں اس لئے ہم نے انسانوں میں سے رسول بھیجے۔ اگر یہاں فرشتے بستے تو ہم فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے (۱۷/۹۵) نیز قرآن میں اسوۂ حسنہ کا لفظ خصوصیت سے دو ہی شخصیتوں کے متعلق آیا ہے ایک حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے متعلق (۶۰/۴) اور دوسرے نبی اکرمؐ کے متعلق (۳۳/۲۱)لہ حضرت ابراہیم کی جس خصوصیت کبریٰ کے تذکرہ کے لئے اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس پیغام خداوندی کے مخالف ہیں ان سے کوئی قلبی تعلق نہ رکھا جائے۔ بعینہٖ یہی حکم دوسری جگہ عام مسلمانوں کے لئے بھی آیا ہے (۵۸/۲۲) اس سے ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کے لئے حضرت ابراہیم کی اس خصوصیت تک پہنچنا ناممکن ہوتا تو پھر انھیں بالتصریح اس خصوصیت کا حکم نہ دیا جاتا۔ یہی چیز نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ پر صادق آتی ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں کے لئے اس تک پہنچنا ناممکن ہوتا۔ تو اسے ان کے لئے اسوہ قرار کیوں دیا جاتا؟

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ بات ناممکن کی نہیں بلکہ درجات کی ہے۔ جو مسلمان ان امور سے رک جاتا ہے۔ جنھیں شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے تو وہ دین کے پہلے درجے میں آجاتا ہے اس کے بعد وہ جس قدر اس میں پختگی حاصل کرتا اور آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے درجات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ان مدارج کی بلند ترین سطح پر فائز تھے۔ لہذا پہلے درجہ کا مسلمان بھی متبع سنت ضرور ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں وہ اتباع سنت میں ترقی کرتا جاتا ہے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے تا آنکہ وہ آخر الامر اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے یہ ٹھیک ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس تیرہ سو سال میں امت کو اس آخری درجہ تک لانے کے لئے کیا کوششیں ہوئی ہیں؟ سابقہ تاریخ کو تو چھوڑیئے ہمارے دور میں تو یہی کیفیت ہے کہ جو مسلمان پہلے درجہ میں آجاتے ہیں انھیں مطمئن رکھا جاتا ہے کہ انھوں نے دین کا منشا، پورا کر دیا ہے اور وہ متبعین سنت رسول اللہ بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے زمیندار، کارخانہ دار صاحب جائداد، وہ زر اندوز جنھوں نے کروڑوں روپے جمع کر رکھے ہیں اگر وہ زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں یا ارباب شریعت کے بتائے ہوئے کاموں میں کچھ خیرات کا روپیہ دے دیتے ہیں تو انھیں متبعین شریعت ہونے کی سند مل جاتی ہے وہ خدا اور رسول کی رضا جوئی حاصل کر لیتے اور دین کا منشا، پورا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان سے کوئی نہیں کہتا کہ اتباع سنت اسی صورت میں مکمل ہو گی جب تم حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں ایسی زندگی بسر کرو گے کہ نہ تمہارے پاس کچھ جمع ہو اور نہ ہی تم کچھ ترکہ چھوڑو۔

ہم پاکستان کے ارباب شریعت سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ

(۱) نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ کا جو مجموعی نقشہ کتب سیرت کی رو سے پیش کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) اگر وہ صحیح ہے تو امت کے لئے اس اسوۂ حسنہ کی اتباع ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) اگر اس کی اتباع ضروری ہے، تو جو لوگ لاکھوں روپے جمع کرتے اور کروڑوں کی جائدادیں بناتے ہیں، اور ساری عمر

لہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کا ذکر اس مقام پر آیا ہے۔ جہاں آپ نے جنگ کے موقع پر بے مثال استقلال اور استقامت کا ثبوت دیا تھا اس لئے اس (اسوہ) کا تعلق اسی واقعہ سے ہے دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے حضورؐ کی پوری کی پوری زندگی کی طرف اشارہ ہے اس مقام پر ہم عموم اور خصوص کی بحث میں نہیں الجھنا چاہتے۔

یہی کچھ کرتے رہتے ہیں۔ انھیں متبع سنت رسول اللہ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۴) اگر وہ لوگ متبع سنت رسولؐ اللہ نہیں تو پاکستان کے مسلمانوں کو اس سنت نبویؐ پر چلانے کے لئے یہاں کیا کوششیں ہو رہی ہیں؟

اگر کوئی تحریک اس اتباع سنت کی دعوت دے اور ایسے اسلامی معاشرہ کے قیام کی کوشش کرے جس میں حضورؐ کے اس اسوۂ حسنہ کی اتباع ممکن اور آسان ہو جائے تو ایسی تحریک کی تائید کرنی چاہیئے یا مخالفت؟

جو حضرات اس اہم موضوع پر سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہیں، طلوع اسلام نہایت خندہ پیشانی سے انھیں خوش آمدید کہے گا۔

---

## میرے بھی صنم خانے!

ہم مسٹر کامنی کمار دتا کے مرکز میں وزیر قانون بنائے جانے پر ابھی کچھ لکھ نہیں سکے تھے کہ پاکستان کی آٹھویں سالگرہ پر آپ کا پیغام آزادی ہمارے سامنے آگیا جو بوجوہ محتاج تبصرہ ہے لیکن اس پر گفتگو کرنے سے پیشتر ہم اپنے قصور فہم کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس کی بنا پر ہم یہ سمجھ نہیں سکے کہ آخر آپ کو کس مصلحت کی بنا پر وزیر چنا گیا اور قانون جیسا اہم شعبہ ان کے سپرد کر دیا گیا۔ موجودہ مرکزی وزارت مسلم لیگ اور متحدہ محاذ میں اختلاط ( CORLITION ) کا نتیجہ ہے مسٹر دتا ان دونوں پارٹیوں میں سے کسی ایک کے بھی رکن نہیں، اس اعتبار سے ان کی آمد کو اختلاط کا لازمی نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ اسی کا شاخسانہ ہے۔ متحدہ محاذ کے متعلق یہ چھپی ڈھکی بات نہیں کہ اس کی رگ سیاست میں ہندو ہی کا خون زندگی دوڑ رہا ہے۔ ان کے مطلع سیاست پر ابھر آنے سے عنان سیاست ہندو کے ہاتھ میں چلی گئی ہے۔ اس کا واضح اور بدترین ثبوت گذشتہ سال ملا تھا جب متحدہ محاذ کی حکومت پہلی مرتبہ مشرقی پاکستان میں برسر اقتدار آئی تھی۔ اس وقت ایسا کشت و خون ہوا کہ پاکستان کی بنیادیں تک ہل گئی تھیں۔ اگر مرکزی قیادت صوبائی حکومت کو برطرف کر کے اس سیلاب بلا کے سامنے بند نہ باندھ دیتی تو پاکستان کا جو حشر ہوتا اس کا تصور مشکل نہیں۔ ہمیں ہندو سے یونہی خدا واسطے کا بیر نہیں نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان پر کسی قسم کی شہری پابندیاں ہی لگائی جائیں لیکن اس کا کیا علاج کہ ہندو نے ابھی تک پاکستان کو قبول نہیں کیا اور وہ دل و دماغ کا ہندوستانی ہے۔ پاکستان میں ہندوستان کے پہلے ہائی کمشنر مسٹر سری پرکاش نے بالکل صحیح کہا تھا کہ پاکستان ہندو کے لئے "روحانی مسئلہ" ہے۔ یعنی وہ اسے کسی طور پر قبول نہیں کر سکتا۔ آج ہم ہندو کی سیاست کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کی صداقت کا پورا پورا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ ذہنیت ہندو تک محدود ہوتی اور وہیں تک محدود رہتی تو ایک حد تک بات اور ہوتی، اور اس سے ہمارا مسئلہ دوسری نوع کا ہوتا لیکن "غیر پاکستانیت" کا زہر مسلمانوں کے دل و دماغ میں بھی حل کیا جا رہا ہے۔ یہ سلسلہ روز اول سے جاری ہے نہ یہ از خود تھما ہے اور نہ اس کا تدارک ہی کیا گیا ہے۔ اس سے بنگال میں جو ذہنیت پیدا ہو گئی ہے وہ محب وطن پاکستانیوں کے لئے گہری سوچ اور قلبی اضطراب کا باعث ہے۔ متحدہ محاذ کے پہلی مرتبہ برسر اقتدار آنے پر جو زلزلے آئے وہ بڑے شدید تھے اور ہم انھیں ہر ایک نے محسوس کیا۔ اب ہر چند ایسے جھٹکے ختم ہو گئے ہیں لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ زمین ساکن ہو گئی ہے۔ بنگال میں ہندو مسلسل آبیاری کر رہا ہے اور اس کے بوئے ہوئے تخم ہائے خبیث برگ و بار لا رہے ہیں۔ مثلاً اس ماہ کے شروع میں صوبائی اسمبلی کا اجلاس ہوا تو عبدالحکیم صاحب (متحدہ محاذ) کو کثرت رائے سے اسپیکر منتخب کیا گیا۔ آپ نے اپنی کامیابی پر تقریر کرتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔

> مہاتما گاندھی اور مسٹر جناح کی روحیں دیکھ رہی ہیں اس لئے آپ بہتر طریق پر کام سر انجام دیجئے۔

ان الفاظ کو بغور دیکھئے سے پتہ چلتا ہے کہ جس نوک نشتر کا ہم رونا رو رہے ہیں اس کی زد کہاں تک پہنچتی ہے۔ مہاتما گاندھی کی زندگی کا ایک ایک سانس مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں صرف ہوا۔ اب اگر ان کی روح پاکستان کی کسی صوبائی مقننہ میں آئے گی تو وہ اس کو آشیرباد دینے کے لئے یقیناً نہیں آئے گی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ نئے اسپیکر نے کیسے فرض کر لیا کہ ان کی روح اسمبلی میں موجود ہے؟ کیا اس لئے کہ وہ انھیں سے روحانی اکتساب کرتے ہیں؟ اور پھر انھیں اتنا بھی خیال نہ آیا کہ اگر گاندھی اور جناح کا تذکرہ ناگزیر ہی تھا تو جہاں ایک غیر ملک کے قائد کو مہاتما کہا گیا وہاں اپنے قائد کو قائد اعظم کے نام سے کیوں نہ یاد کیا گیا؟

قائد اعظم کا لقب ملت کے دل کی گہرائیوں سے ہی نہیں ابھرا تھا بلکہ پاکستان کی مجلس دستور ساز نے اس لقب پر قانونی مہر بھی لگا دی تھی۔ ہمیں مہاتما گاندھی سے کوئی بیر نہیں۔ انھوں نے پاکستان کی مخالفت کی تو ہم نے اس کے علی الرغم پاکستان بنا لیا۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ قائد اعظم کو مسٹر جناح کہنے سے ان کی عظمت پر حرف آجاتا ہے۔ یہ عظمت تاریخ کی عطا کردہ ہے اور کوئی اسے مٹا نہیں سکتا۔ لیکن ہمارا مقصود اس ذہنیت کی طرف توجہ دلانا ہے جو ہندو کے دم سے پیدا ہو گئی ہے۔ معاصر "پاسبان" ڈھاکہ کی اطلاع ہے کہ مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ، مسٹر ابو حسین سرکار نے ہندوستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر کے دفتر میں ایک لائبریری کا افتتاح کیا تو دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی ذہنیت کو اسی سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے جس میں تقسیم سے پہلے نام نہاد نیشنلسٹ مسلمانوں کو ڈھالا جاتا تھا۔ وہ نام کے مسلمان تھے لیکن عملاً ہندو تھے۔ یہ زہر بڑی چابکدستی سے پھیلایا جا رہا ہے اور اس کیلئے چوٹی کی طرف سے آنے کا راستہ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ انہی کی مدد سے ملکی سیاست میں فتنے کھڑے کئے جا سکتے ہیں اور رخنے ڈالے جا سکتے ہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ متحدہ محاذ کی وساطت سے یہ خطرہ حقیقی ہو گیا ہے۔ صوبے کا توازن اقتدار بالکل ہندو کے ہاتھ میں آچکا ہے اور اب اس خطرے کا رخ مرکز کی طرف ہو گیا ہے۔

ان حالات میں متحدہ محاذ کے شریک حکومت ہونے سے ایک ہندو کا وزیر بن جانا بالکل قابل فہم ہے لیکن اس سے یہ کم قابل مذمت نہیں ہو جاتا۔ مسٹر دتا اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس نے پاکستان کے لئے اسلامی آئین کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔ بعض دفعہ اس گروہ کی طرف سے خود اسلام پر حملے ہوتے رہے۔ اس پر سابقہ مجلس دستور کی روئداد کافی شہادت ہے۔ اس گروہ کو اسلام کے نام سے اس حد تک کد تھی کہ اس نے اس پر بھی اعتراض کیا کہ پاکستان کے نام کے ساتھ جمہوریہ اسلامیہ کا اضافہ کیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ جب آئین سازی کا سلسلہ شروع ہوا تو اس گروہ نے یہ کہہ کر مجلس دستور ساز کا بائیکاٹ کر دیا تھا کہ چونکہ وہ اسلامی آئین وضع کر رہی ہے اس لئے وہ اس سے قطعاً تعاون نہیں کر سکتے۔ اب یہی مسٹر دتا صاحب مسودہ آئین کی تیاری کا ذمہ لیں گے۔ کیا وہ اسلامی آئین کی تسوید کو گوارا کر لیں گے یا اپنا سابقہ بائیکاٹ جاری رکھیں گے؟ ہم نامحرمان سراپردۂ راز اس کا کچھ جواب نہیں دے سکتے لیکن اگر کسی شخص کا ماضی اس کے مستقبل کا کسی حد تک آئینہ ہو سکتا ہے تو اس کا جو جواب دیا جا سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

اس کا ایک حد تک جواب مسٹر دتا کے نشریہ میں مل جاتا ہے۔ آپ نے گذشتہ آٹھ سال کی ناکامی کا ذکر کر کے کہا ہے کہ دنیا میں ملک کا وقار کم ہو گیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ "عوام کے مفاد سے غداری کی گئی ہے۔" ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مسٹر دتا کی حقیقی مراد کیا ہے۔ بظاہر ایسے نظر آتا ہے کہ ان کا روئے سخن اس کی طرف ہے کہ آج تک ملک کا آئین تیار نہیں ہو سکا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ناکامی بڑی شرمناک ہے لیکن ہم نئے وزیر قانون سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس ناکامی کی ذمہ داری ان پر بھی عائد نہیں ہوتی؟ تسوید آئین کی راہ میں اور کتنے ہی موانعات کیوں نہ ہوں کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ آپ اور آپ کے رفقاء نے بھی اس راہ میں کانٹے بکھیرے؟ آپ کا بائیکاٹ آخر کیا معنی رکھتا تھا؟ آپ شاید اپنے نظریات کی بنا پر اسے حق بجانب ثابت کر سکیں لیکن کیا اس سے نتیجہ اور اس نتیجے سے متعلق رائے بدل جائے گی؟ آپ کی کوششیں اگر رنگ نہیں لا سکیں تو یہ اتفاقی بات ہے، ورنہ آپ نے تو تسوید آئین کی مساعی کو بے نتیجہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی! اور ہم یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ اب آپ اس سلسلہ میں مناسب تعاون کا ثبوت دیجئے گا؟

یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ مسٹر دتا کس قسم کے تعاون کا مظاہرہ کر سکتے ہیں ہمیں دیکھنا ہوگا کہ عوام کا وہ مفاد کیا تھا جس سے بقول مسٹر دتا غداری کی گئی ہے؟ پاکستان کے عوام کا مفاد دیکھنے کے لئے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ پاکستان کس بنا پر وجود میں آیا تھا۔ مسٹر دتا اس کو کسی نظر سے بھی کیوں نہ دیکھیں وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا گیا تھا کہ اس خطۂ ملک میں اسلامی نظام رائج کیا جائے گا۔ نہ محض تحریک پاکستان کا اقتضا یہی تھا بلکہ قائدین پاکستان نے قدم قدم پر آئین اسلامی کی تسوید ہی کا وعدہ کیا ہے اور اس کو ایفا کرنے کے دعوے باندھے ہیں۔ گویا اب مفاد عوام سے غداری آئین

کا نہ بنانا نہیں بلکہ اسلامی آئین کی تسوید سے گریز کرنا ہے۔ ان حالات میں اگر اچھے سے اچھا آئین بھی بنا دیا گیا تو جب تک وہ اسلام کے اصولوں پر مبنی نہیں ہوگا اس کوشش کو مفاد پاکستان سے غداری ہی قرار دیا جائیگا۔ کیا مسٹر دتا "غداری" کے لفظ سے یہی مراد لیتے ہیں۔

وہ اسے کسی معنی میں بھی استعمال کیوں نہ کریں پاکستان کے عوام اس کی یہی اور صرف یہی تعبیر کریں گے۔

مسٹر دتا نے نشریہ میں اقلیتوں کی نزعم خویش پوزیشن واضح کی ہے۔ آپ نے کہا کہ تسویۂ آئین کے بعد یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اقلیت کا لفظ آئین میں نہیں ملے گا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اقلیتوں سے مطالبہ کیا کہ وہ پاکستان کے وفادار شہری بن جائیں اور احساس کمتری اور بد دلی کے جذبات سے پاک ہو جائیں اور یہ مطالبہ کریں کہ انھیں زندگی کے تمام شعبوں میں مساوی مواقع دیئے جائیں۔ ان الفاظ کا مفہوم بالکل ظاہر ہے مسٹر دتا کے تصور کے مطابق جو آئین بنے گا اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ یعنی بالفاظ دیگر وہ اسلامی نہیں ہوگا۔ گویا جہاں تک مسٹر دتا کا تعلق ہے ان کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہ بدستور لادینی اور غیر اسلامی آئین کے لئے کوشاں رہیں گے۔

ہم اس موقع پر اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ اسلامی آئین میں غیر مسلموں کا مقام و منصب کیا ہے اور ان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں (ان امور پر طلوع اسلام مفصل بحث کر چکا ہے) لیکن یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کی پوزیشن وہی ہوگی جو از روئے قرآن ہو سکتی ہے۔

وہ مسلم قوم کے افراد نہیں شمار کئے جائیں گے اس لئے کہ قرآن کی رو سے مسلم قوم کا وجود آئیڈیالوجی کی بنا پر تشکیل پاتا ہے اور جو لوگ اس آئیڈیالوجی میں شریک نہ ہوں وہ اس قوم کے افراد نہیں بن سکتے خواہ وہ ایک ہی ملک کے باشندے کیوں نہ ہوں اس لئے یہ کہنا کہ آئین پاکستان کی تسوید کے بعد اقلیت کا لفظ پاکستان میں نہیں ملیگا، یہاں کے مسلمانوں کو "متحدہ قومیت" کی طرف لے جانے کے مرادف ہے۔ وہی متحدہ قومیت جسے ہم نے اسلامی تصور کی رو سے ٹھکرا کر پاکستان حاصل کیا تھا۔ یہ سب کچھ قرآن کی تعلیم کے مطابق ہے جس میں مسٹر دتا کی خواہشات تو ایک طرف ہم اپنی خواہشات کے مطابق بھی ایک شوشہ کی کمی نہیں کر سکتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسٹر دتا اور ان کے رفقا ہی نہیں بلکہ پاکستان کے تمام دستور ساز اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ اسلام اور پاکستان دونوں سے غداری ہوگی۔

جہاں تک ایک اسلامی مملکت میں کسی غیر مسلم کے بہ حیثیت وزیر قانون متعین ہو جانے کے سوال کا تعلق ہے تو اسلامی تعلیم کی رو سے کوئی اس کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا۔ باقی رہا ان غیر مسلم حضرات کی وفا شعاری کا سوال۔ سو اس کے لئے مسٹر منڈل کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

## ارباب شریعت کی دیانت

آج سے ذرا پہلے تک ہمارے ہاں علمائے شریعت کی بالعموم یہ کیفیت تھی کہ وہ اپنے عقائد میں بڑے پختہ اور متشدد ہوتے تھے اور مخالف فرقے کے معتقدات پر کڑی سے کڑی تنقید کرتے تھے لیکن اس تنقید میں ان کا مسلک یہ ہوتا تھا کہ مخالف کے عقائد کو اسی کے الفاظ میں بیان کرتے اور پھر ان کی تردید کرتے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ خود اپنے ذہن سے مخالفین کے عقائد کو وضع کرتے اور پھر انھیں بنائے اعتراضات بنا لیتے۔ وہ خدا سے ڈرتے تھے اور اس قسم کی حرکات کو دیانت اور تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے لیکن ہمارے دور کے مدعیان شریعت کی کیفیت بالعموم ان سے مختلف ہے۔ اب یہ فریق مخالف کے متعلق خود ہی کچھ باتیں وضع کرتے ہیں۔ اور ان باتوں کو اُس کی طرف منسوب کر کے سب و شتم کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بیچارہ لاکھ چلائے کہ یہ میرے معتقدات نہیں اس کی ایک نہیں سنتے۔ اپنا پروپیگنڈہ بدستور جاری رکھتے ہیں۔ اس کی ایک بین مثال لیجئے۔ طلوع اسلام کو ایک عرصے سے منکر حدیث اور منکر سنت قرار دے کر ہدف طعن و تشنیع بنایا جا رہا ہے اور یہ سب کچھ ان عقائد کی بنا پر کیا جا رہا ہے جو طلوع اسلام کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان پروپیگنڈہ کرنے والوں نے خود ہی اپنے ذہن سے تراش رکھے ہیں۔

طلوع اسلام نے اپنے مسلک کو واضح اور صاف کرنے کے لئے اپنی ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں "سنت رسول اللہ" کے عنوان سے ایک ادارتی مقالہ لکھا جس میں بتایا کہ اس باب میں طلوع اسلام کا عقیدہ اور مسلک کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ان تمام مخالفین سے درخواست کی کہ وہ براہ کرم یہ بتائیں کہ اس عقیدہ اور مسلک میں کونسی غلطی ہے۔ تاکہ اگر وہ فی الواقعہ غلطی ہو تو طلوع اسلام اپنی اصلاح کر سکے۔

طلوع اسلام میں اس مسلک کی وضاحت کے بعد ہم نے مخالف گروہ کے مشہور افراد مثلاً محترم امین احسن صاحب اصلاحی اور نعیم صدیقی صاحب کی خدمت میں نجی خطوط لکھ کر ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ اس کے بعد ۲۷ اپریل اور ۳۰ اپریل کے طلوع اسلام میں ہم نے اس درخواست کو دہرایا۔ ۷ مئی کے شمارہ میں محترم امین احسن صاحب اصلاحی اور عبدالغفار حسن صاحب سے اس ضمن میں مزید استفسار کیا۔ ۱۴ مئی کے طلوع اسلام میں محترم مودودی صاحب سے بھی درخواست کی اور اس درخواست کو پھر ۲۸ مئی کے شمارہ میں دہرایا۔

اس کے بعد ہم اس وقت تک دیکھ رہے ہیں کہ ان حضرات یا ان کے دیگر رفقا نے نہ اپنی کسی تقریر اور نہ کسی تحریر میں طلوع اسلام کے اس ادارتی مقالہ کا کوئی ذکر کیا ہے اور نہ ہی کہیں یہ کہا ہے کہ طلوع اسلام نے حدیث اور سنت کے متعلق اپنا یہ مسلک بتایا ہے لیکن اس کے برعکس وہ ان باتوں کو بار بار دہرائے چلے جا رہے ہیں جو طلوع اسلام کی طرف غلط منسوب کی جاتی ہیں اور اس طرح اس کے خلاف اپنی مہم کو برابر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اس ایک واقعہ سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ جن حضرات کا مذہبی معاملات میں بھی دیانت اور تقویٰ کا یہ عالم ہے۔ دوسرے معاملات میں ان سے کس قسم کی توقع کی جا سکتی ہے؟ لیکن اس سے بھی زیادہ افسوس میں اس طبقہ پر ہے جو ان حضرات کی باتیں سنتا اور ان کی تحریریں پڑھتا ہے۔ لیکن ان سے یہ نہیں کہتا کہ آپ طلوع اسلام کے اس مسلک کو جو اس نے اپنی ۲۰ اپریل کی اشاعت میں خود واضح کیا ہے، سامنے رکھ کر پھر اعتراض کیجئے۔ کیا ہم اس سے اس نتیجہ پر پہنچیں کہ ہمارے ہاں مذہب سے دلچسپی رکھنے والوں کا پورے کا پورا طبقہ اس سطح پر پہنچ چکا ہے۔ یہ نتیجہ افسوسناک ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ اور اس کی خطرناکی اس وقت سامنے آئے گی جب ہنگامی تحریکیں ختم ہو جائیں گی (جن میں لوگوں سے کہا یہ جا رہا ہے کہ "دین کی اقامت" کے لئے مخالفین کے خلاف ہر حرکت موجب ثواب ہے کیونکہ اس سے مقصود دین کی خدمت ہے) اور ہم یہ دیکھنے کے قابل ہو سکیں گے کہ یہ ہمارے معاشرے کے اخلاق کو کہاں سے کہاں پہنچا گئی ہیں۔

# بین الاقوامی جائزہ

امریکہ اور چین کے سفیروں کے جو مذاکرات اس ماہ کے آغاز میں جنیوا میں شروع ہوئے تھے وہ ابھی تک کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ تازہ اطلاعات سے مترشح ہوتا ہے کہ گردش پرکار کی سی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اسے تعطل کہا گیا ہے نہ انقطاع تک نوبت آنے کی توقع ہے۔ کیونکہ ان کی فضا جیسی بھی ہو فریقین مذاکرات کو جاری رکھنے پر بدستور آمادہ ہیں۔ فی الحال ان کا یہی پہلو قابل ذکر اور امید افزا ہے۔

ابتداءً ان مذاکرات کا محور امریکی شہریوں کی چینی حراست سے رہائی ہے۔ چین اس معاملہ کو دیگر تنازعات سے متعلق سودا بازی کا ذریعہ ضرور بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ مذاکرات کا رخ دوسری طرف موڑنے میں مصروف رہتا ہے۔ اس کوشش کا نتیجہ ہے کہ مذاکرات اب تک بے نتیجہ ہیں۔ حالانکہ آغاز میں یہ توقع عام طور پر پائی جاتی تھی کہ مطلوبہ قیدیوں کی رہائی عمل میں آجائے گی چین بدستور سابق مشرق بعید سے متعلق عمومی معاہدے کا تصور ابھار ابھار کر پیش کر رہا ہے۔ امریکہ اسے ناقابل عمل سمجھتا ہے۔ در اصل موجودہ بین الاقوامی کشمکش کے پس منظر میں یہ ہے بھی ناقابل عمل۔ اگر ان عمومی امور کی بجائے خصوصی امور کو پیش نظر رکھا جائے اور فرداً فرداً ان سے متعلق معاملہ طے کیا جائے تو تصفیہ کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اتفاق سے ایسے حوادث رونما ہو رہے ہیں۔ جن سے امریکی اور چینی تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جانے کا احتمال ہے۔ اس کا مرکز ثقل فی الحال کوریا ہے۔ کوریا دو ٹکڑوں میں تقسیم ہے اور ایک غیر جانبدار کمیشن وہاں مصروف کار ہے جو معاہدہ کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس کے دو ارکان پولینڈ اور چیکوسلواکیہ ہیں جو کمیونسٹ ہیں ان کے متعلق عام طور پر کہا جا رہا ہے کہ وہ علانیہ کمیونزم کے لئے فضا سازگار کر رہے ہیں۔ جنوبی کوریا کے صدر سنگمن ریی ان پر سختی سے تنقید کر رہے ہیں چنانچہ ان کے خلاف مظاہرے بھی ہوئے ہیں اس صورت حال کا چین فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس کی تجویز ہے کہ کوریا کا معاملہ ایک وسیع ایشیائی کانفرنس کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ اس کے تجویز کردہ ایشیائی معاہدے کی دوسری شکل ہے۔ امریکہ بھی کوریا کا سنجیدگی سے مطالعہ کر رہا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ غیر جانبدار کمیشن کے اشتراکی ارکان کی نقل و حرکت محدود کر دی جائے۔ اس

# تاریخی شواہد

(۲۸)

دوسرے مقام پر ہے

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ (۱۱/۶۶)

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آپہنچا، تو ہم نے صالح کو اور اُن لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے محفوظ رکھا (اے پیغمبر!) بلاشبہ تیرا پروردگار ہی ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے۔

اس لئے کہ وہ مومنین و متقین کی جماعت تھی۔

وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ (۲۷/۵۳)

اور (دیکھو) ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے ہلاکت سے محفوظ رکھا اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ تھے بھی متقی (اس لئے اسکے مستحق تھے)

ان بقایائے ثمود سے جو نسل آگے بڑھی انھیں ثمود ثانیہ کہا جاتا ہے۔

---

یہ ہے قوم ثمود کی داستانِ عبرت انگیز جو ہر صاحب علم و بصیرت کے لئے اپنے اندر سامانِ عبرت رکھتی ہے۔ اور جن کی اجڑی ہوئی بستیاں ہر رہگذر سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ع

دیکھو ہمیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ (۲۷/۵۲)

چنانچہ یہ ان کے مکانات ویران پڑے ہیں۔ بلاشبہ (ان کی اس عبرت انگیز تباہی) میں ان لوگوں کے لئے جو حقیقت کا علم رکھتے ہیں (بڑی) نشانی ہے۔

اسی داستان کو قرآن کریم نے بغیر نام لئے سورۃ المومنون کی چند آیات میں یوں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ قوم نوح کی غرقابی کے بعد ارشاد ہے

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۝ (۲۳/۳۱-۴۲)

پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کر دیا۔ ان میں (بھی) اپنا رسول بھیجا جو خود انہی میں سے تھا (اس کی دعوت بھی یہی تھی) "اللہ ہی کی عبودیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں۔ کیا تم (انکار و فساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نہیں! اس قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنھیں دنیا کی زندگی میں ہم نے آسودگی دے رکھی تھی (لوگوں سے) کہنے لگے اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ جو کچھ تم کھاتے ہو، یہ بھی کھاتا ہے جو کچھ تم پیتے ہو، یہ بھی پیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کر لی، تو بس سمجھ لو، تم تباہ ہوئے۔ تم سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے! یہ تمہیں امید دلاتا ہے کہ جب مرنے کے بعد محض مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو جاؤ گے۔ تو پھر تمہیں موت سے نکالا جائے گا۔ کیسی ان ہونی بات ہے! کیسی ان ہونی بات ہے جس کی تمہیں توقع دلاتا ہے! (بھلا دوبارہ زندہ ہونا کیسا!) زندگی تو بس یہی زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں۔ یہیں مرتے ہیں، یہیں جینا ہے۔ ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مر کر پھر جی اٹھیں۔ کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی۔ ہم کبھی اس کی بات ماننے والے نہیں۔ اس پر رسول نے کہا۔ خدایا! انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ پس تو میری مدد کر! حکم ہوا عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ لوگ اپنے کئے پر شرمسار ہوں گے۔ چنانچہ فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آپکڑا۔ اور ہم نے خس و خاشاک کی طرح انھیں پامال کر دیا۔ تو محرومی ہو اس گروہ کے لئے کہ ظلم کرنے والا ہے! پھر ہم نے ان کے بعد قوموں کے اور بہت سے دور پیدا کئے۔

اور اس کے بعد وہ نقطۂ اساسی جو قوموں کی موت و حیات کے لئے ایک اٹل قانون کی حیثیت لئے ہوئے ہے یعنی۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ (۲۳/۴۳)

کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے:

یہ وقت معین (اجل) کسی قوم کے اجتماعی اعمال کے ظہور نتائج کا نام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ظلم اور زیادتی سے ہلاک نہیں کرتا۔ یہ ہلاکت ان کے اپنے ہاتھوں کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۝ (۱۱/۱۱۷)

اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو (یونہی) ظلم سے ہلاک کر دے درآنحالیکہ ان کے بسنے والے (باقی رہنے کی) صلاحیت رکھتے ہوں

سورۂ حج کی مندرجہ صدر آیات کو ایک بار پھر سامنے لائیے۔ ان میں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم اس زندگی کو آخری زندگی سمجھے وہ کبھی اپنی عیش سامانیوں کو چھوڑ کر نوع انسانی کی پرورش کرنے کے لئے جد و جہد کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے تو صرف وہی آمادہ ہو سکتا ہے جو یہ سمجھے کہ زندگی کو مسلسل آگے چلنا ہے اور اگلی زندگی میں خوشگواریوں کا معیار یہ ہے کہ اس زندگی میں دوسروں کی پرورش کے لئے کیا کیا ہے؟ یہ وجہ ہے کہ قرآن سرمایہ پرستی کے خون آشام نظام کو مٹانے کے لئے ایمان بالآخرۃ کو بنیادی تصور قرار دیتا ہے۔

# اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کی قومی خصوصیات اور زمانۂ جاہلیت میں ان کی حیات عقلیہ کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔ عربوں کی حیات عقلیہ کے مظاہر میں سے لغت، زبان اور شعر و شاعری کا بیان ہو رہا تھا۔ آج کی صحبت میں عربوں کی ضرب الامثال سے گفتگو کی جائیگی کہ وہ کیونکر ان کی حیات عقلیہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔

## (ج) ضرب الامثال

لغت عربی کے علماء کا بیان ہے کہ "مَثَل" کا لفظ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے۔ هٰذَا مَثَلُ الشَّيْءِ وَمِثْلُهٗ (یہ چیز فلاں چیز کے مثل ہے) یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ هٰذَا شِبْهُهٗ وَشَبَهُهٗ، کیونکہ اس میں اصل معنی تشبیہ ہی کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد "مَثَل" کا استعمال ہر مروّج پذیر حکمت کی بات پر ہونے لگا۔ دوسرے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ عبرانی زبان سے ماخوذ ہے، عبرانی زبان میں ایک لفظ "مَشَل" موجود ہے جو اسی مفہوم پر بلکہ اس سے بھی زیادہ وسیع مفہوم پر بولا جاتا تھا جو عبرانی زبان والے مروّج حکمت کی باتوں پر بھی اس لفظ کا اطلاق کرتے تھے اور پر نتیجہ مختصر حکایتوں اور قصوں کہانیوں پر بھی۔ بہرحال ہمیں تو ضرب الامثال پر ــــ محض ــــ اس نقطۂ نظر سے بحث کرنی ہے کہ اس سے کسی قوم کی عقلیت پر کسی قدر روشنی پڑ سکتی ہے۔ کسی قوم کی ضرب الامثال سے ہم یہ پتہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی عقلیت کس درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ نیز اس قوم کے بہت سے اخلاق و عادات کا کھوج لگا سکتے ہیں۔

اس اعتبار سے ضرب الامثال کو اشعار پر ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ کیونکہ اشعار تو محض ایک خاص طبقہ کے لوگوں کی ترجمانی کرتے ہیں جو عوام کی سطح سے بہرحال اونچی سطح پر ہوتے ہیں۔ شعراء قبیلہ کے صرف ان احوال و ظروف کو بیان کرتے ہیں جو اس قوم کے بلند مرتبہ اذہان میں مرتسم ہو چکے ہوں ــــ یہ بلندی کسی نوع ہی کی کیوں نہ ہو ــــ پھر وہ ان احوال و ظروف کو ایسے سانچوں میں ڈھلے ہوئے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں جو شعر کے مناسب ہو سکیں۔ لیکن ضرب الامثال زیادہ تر خود افراد قبیلہ کے تابع ہوتی ہیں اور عام لوگوں کی عقلیت کا اظہار کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضرب الامثال میں عموماً بہت ہی ان گھڑ الفاظ ملتے ہیں۔ یعنی وہ ان کے لئے ادیبوں یا بلند مرتبہ عقلاء کی طرح الفاظ کا انتخاب نہیں کرتے۔ مثلاً ایک ضرب المثل ہے۔ "گوہ سب سے پہلے اپنی دُم باہر نکالتی ہے" یا یہ ضرب المثل ہے۔ "ام قبیس اور ابو قبیس دونوں ہی جڑ دل کو اس طرح گڈمڈ کرتے ہیں جیسے حلوے کے اجزاء کو گڈمڈ کیا جاتا ہے"!

زیادہ تر اسکی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ عربی کی بعض ضرب الامثال اس قسم کی ملتی ہیں جن کے معنی تفصیلاً سمجھ میں نہیں آتے بلکہ محض اجمالاً سمجھے جا سکتے ہیں۔ ابو ہلال عسکری نے اپنی کتاب جمہرۃ الامثال میں اس ضرب الامثال "بَعَيْنٍ مَا أَرَيَنَّكَ" کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے معنے "جلدی کرو" کے ہوتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ اس کے یہ معنی کسی سے سن کر ہی معلوم ہو سکتے ہیں ورنہ ضرب المثل میں خود کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جس کے یہ معنی ہو سکتے ہوں۔ اس سے یہ پتہ بھی چل جاتا ہے کہ عربی زبان ہم تک مکمل نہیں پہنچ سکی۔ اس میں بہت سی چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کو علماء نے ابتک نہیں پہچانا"۔

آ • •

میرا خیال تو یہ ہے کہ ہم تک شعر و خطابت وغیرہ کے جو نمونے پہنچے ہیں وہ شعراء اور ادیبوں کی صاف ستھری اور نکھری ہوئی زبان تو ہو سکتی ہے مگر قوم اور عوام کی زبان نہیں ہو سکتی بعض ضرب الامثال کے سوا عام لوگوں کی زبان ہم تک پہنچ ہی نہیں سکی۔

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ساری ضرب الامثال ہی تعبیر کے لحاظ سے ناقص اور الفاظ کے اعتبار سے غیر شستہ ہیں بلکہ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضرب الامثال پوری قوم کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ایک ضرب المثل بعض اوقات ایک ترقی یافتہ طبقہ میں پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنے تخیل کے لحاظ سے خود بھی ترقی یافتہ ہوتی ہے اور اس کے الفاظ بھی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ کبھی ایک ضرب المثل عام لوگوں میں پیدا ہوتی ہے تو وہ ایسی نہیں ہوتی۔ لیکن شعر تو بہرحال شعراء کے طبقہ ہی میں پیدا ہوتا ہے جو عادۃً قوم کے عوام کے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ یہ شعراء اگر معنوی لحاظ سے ترقی یافتہ مضامین پیش نہ کر سکیں تو کم از کم پاکیزہ الفاظ سے تو محروم نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے ضرب الامثال کو قوم کی آواز قرار دیا ہے۔ چنانچہ قوم کی زبان پر ضرب الامثال کے ذریعہ سے جو روشنی پڑتی ہے۔ وہ اس روشنی سے زیادہ صاف ہوتی ہے جو شعر کے ذریعہ سے پڑتی ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ضرب الامثال میں ایک قسم ایسی ضرب الامثال کی ہے جو تمام قوموں میں پھیلی ہوتی ہیں اور دوسری قسم ان ضرب الامثال کی ہے جس میں ایک قوم دوسری قوم سے اختلاف رکھتی ہے۔ پہلی قسم کی ضرب الامثال اس بحث کا موضوع بن سکتی ہیں کہ قومیں ان ضرب الامثال میں متفق کیونکر ہو گئیں؟ خصوصاً ان زبانوں والی قومیں جن کی اصل ایک ہی ہے مثلاً سامی زبانوں میں ایک دوسرے سے قریب قریب ضرب الامثال ملتی ہیں مثلاً بعض عربی ضرب الامثال میں امثال سلیمان کے ساتھ قریبی مشابہت ملتی ہے جن میں صرف اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا انھیں عربی قالب میں ڈھالنے کے لئے ضروری ہو سکتا تھا۔ یا عربی ذوق سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے خفیف سی تبدیلی ضروری ہو سکتی تھی۔ اور دوسری قسم کی ضرب الامثال اس بحث کا موضوع ہو سکتی ہیں کہ اس قوم میں یہ ضرب الامثال کیوں پیدا ہوئیں اور دوسری قوموں میں دوسری ضرب الامثال کیوں پیدا ہوئیں؟ ایک زراعت پیشہ قوم کی ضرب الامثال اس کی کھیتی باڑی سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک تجارت پیشہ قوم کی ضرب الامثال اسکی تجارت سے ــــ وقس علیٰ ہذا۔ عربی زبان کی ضرب الامثال کو لیکر تم اس قاعدہ کو عربوں پر بھی منطبق کر سکتے ہو۔ ان کی ضرب الامثال زیادہ تر اونٹوں اور اونٹنیوں کے متعلقات سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً ان کی ضرب المثل ہے اِسْتَنْوَقَ الْجَمَلُ (اونٹ تو اونٹنی بن گیا) اور اِنَّمَا يَجْزِي الْفَتٰى لَيْسَ الْجَمَلُ (بدلہ تو نوجوان آدمی دیا کرتا ہے۔ اونٹ نہیں دیا کرتا ــــ) اور اَغُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبَعِيْرِ (کیا یہ ایسی ہی رسولی ہے جیسے اونٹ کے رسولی ہوا کرتی ہے؟) اسی طرح ان کی ضرب الامثال کا تعلق دودھ اور ذبح کردہ اونٹوں سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر قریش کی ضرب الامثال کو تلاش کرنا شروع کرو تو ان کی ضرب الامثال سے یہ چیز نمایاں طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ ایک تجارتی قوم کی ضرب الامثال ہیں۔ مثلاً ان کی ضرب المثل ہے۔ "لَا فِي الْعِيْرِ وَلَا فِي النَّفِيْرِ" (نہ تجارتی قافلہ میں ہے اور نہ فوجی کارواں میں) وغیر ذلک

عربی ضرب الامثال سے اگر اس جہت سے استفادہ کرنے کی کوشش کی جائے تو عموماً اس کے راستہ میں دو چیزیں مانع ہوا کرتی ہیں۔

(اول) زمانۂ جاہلیت کی ضرب الامثال زمانۂ مابعد اسلام کی ضرب الامثال کے ساتھ خلط ملط ہو گئی ہیں حتیٰ کہ دونوں کو الگ کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ ان ضرب الامثال سے عربوں کی حیات عقلیہ پر کوئی استدلال قائم کرنے سے پہلے اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ یہ ضرب الامثال کس دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ یزید بن معاویہ کے عہد میں "علاقہ الکلابی" نے ضرب الامثال کو جمع کیا تھا۔ اگر یہ مجموعہ ہم تک پہنچ جاتا تو یقیناً بہت مفید ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ انھوں نے اپنے اس مجموعہ میں لازماً زمانۂ جاہلیت اور ابتداء اسلام کی ضرب الامثال ہی بیان کی ہوں گی۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ مجموعہ ہم تک نہیں پہنچ سکا۔

البتہ کچھ دوسرے دلائل ہو سکتے ہیں جن سے اکثر ہمیں کسی ضرب المثل کا منبع اور سرچشمہ معلوم ہو جاتا ہے جس کے کئی طریقے ہیں۔

(۱) بہت سی ایسی امثال ہیں جو تاریخی حوادث و واقعات کے بارہ میں کہی گئی ہیں جیسے جَزَاءُ سِنِمَّارٍ، مَوَاعِيْدُ عُرْقُوْبٍ، لَا فِي الْعِيْرِ وَلَا فِي النَّفِيْرِ، اور تَسْمَعُ بِالْمُعَيْدِيِّ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَرَاهُ وغیرہ کہ اس قسم کی تمام ضرب الامثال کا تعلق کسی نہ کسی تاریخی واقعہ سے ہے اور جب کسی تاریخی واقعہ کی صحت ثابت ہو جائے تو ان متعلق ضرب الامثال کی دلالت بھی ان امور پر صحیح ہوگی جن کے بارے میں وہ کہی گئی ہوں۔

# مجلس اقبال

## اسرار خودی

### (باب اول)

باب اول کے ابتدائی اشعار ہیں جو سابقہ قسط میں پیش کئے جا چکے ہیں، علامہ اقبال نے یہ بتایا ہے کہ کائنات کا تخلیقی طریق کار یہ ہے کہ ایک شے وجود میں آتی ہے۔ اس کے بعد اس کی تزئین و تحسین شروع ہوتی ہے اور اس طرح وہ ارتقائی مراحل طے کرتی اپنے منتہیٰ و مقصود کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس طریق کار میں فطرت کو کسی شے میں حسن کا اضافہ کرنے کے لئے بہت سی توانائیاں اور ساز و سامان ضائع کرنا پڑتا ہے اور اس اسراف و سنگدلی کا عذر ہوتا ہے

خلق و تکمیل جمال معنوی

اسی سلسلہ میں وہ اس کے بعد کہتے ہیں کہ۔

حسن شیریں عذر درد کوہ کن　　　　نافۂ عذر صد آہوئے ختن

فرہاد کی کوہ کنی اس کی پیہم مشقتیں اور جگر پاشیاں اور اس کا عمر بھر کا درد و کرب، ان سب کی وجہ جواز شیریں کا حسن تھا۔ اور دشت میں سینکڑوں ہرنوں کی ضیاع کا جواز مشک کا ایک نافہ

سوز پیہم قسمت پروانہ ہا　　　　شمع عذر محنت پروانہ ہا

پروانوں کی تقدیر میں جلنا اور پیہم جلنا ہے۔ اور ان کے اس تب و تاب اور سوز و گداز کی وجہ جواز شمع محفل کے حسن کی تابندگیٔ و درخشندگی۔

خامۂ او نقش صد امروز بست　　　　تا بیارد صبح فردائے بدست

نقاش فطرت کا قلم امروز کے خاکہ میں ہزاروں رنگ آمیزیاں کرتا اور اس کے خط و خال کو ابھارتا اور نکھارتا ہے تاکہ اس سے صبح فردا کی نمود ہو جائے۔

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت　　　　تا چراغ یک محمدؐ برفروخت

اس کا یہ انداز نوع انسانی کے سلسلہ رشد و ہدایت میں بھی جاری و ساری رہا۔ حضرات انبیائے کرام کی مسلسل تگ و تاز اور ان کی پیہم قربانیاں اس لئے تھیں کہ یہ سلسلہ بتدریج آگے بڑھتا ہوا حضور خاتم النبیینؐ کی ذات تک منتج ہو جائے۔

اس مقام پر ایک نکتہ کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرات انبیائے کرام کی تعلیم اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں اور اپنی اپنی قوم کے تمدنی اور معاشرتی ضروریات کے مطابق ہوتی تھی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی تعلیم کے اصول اسی طرح سے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس سلسلہ دراز کی آخری کڑی تک پہنچے تھے۔ اصولی طور پر یہ تعلیم اول سے آخر تک ایک ہی تھی یعنی اصولی اعتبار سے جو پیغام حضرت نوحؑ نے دیا تھا وہی پیغام نبی کریمؐ کی وساطت سے دنیا تک آیا۔ وحی اور انسان کی عقلی تعلیم میں فرق ہی یہ ہے کہ انسانی عقل تجرباتی طریق سے آہستہ آہستہ ٹھوکریں کھاتی اور گرتی پڑتی، دور دراز راہوں سے منزل مقصود تک پہنچتی ہے۔ لیکن خدا کی وحی براہ راست حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کا طریق تجرباتی اور تدریجی طور پر پختگی اور تکمیل حاصل کرنے کا نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ مختلف انبیائے کرام کی تگ و تاز اس لئے تھی کہ ان کا پیغام مختلف تدریجی مراحل طے کرتا ہوا تکمیل تک پہنچ جائے۔ ان کا پیغام پہلے ہی دن مکمل اور مبنی علی الحقیقت تھا۔ البتہ اس پیغام کی عملی شکلیں زمانہ کی سطح کے ساتھ بدلتی اور بلند ہوتی رہتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بھی بالعموم اصولی تعلیم کو پیش کیا ہے۔ تاکہ ان کی عملی شکلیں زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی اور بڑھتی چلی جائیں۔ مندرجہ بالا شعر سے یہی مفہوم لینا چاہیے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ بہتر تھا کہ حضرت علامہ اپنے نکتہ کی وضاحت اقتائید میں اس مثال کو نہ ہی پیش کرتے۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں۔

میشود از بہر اغراض عمل　　　　عامل و معمول و اسباب و علل

خودی کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے کبھی عامل (SUBJECT) بن جاتی ہے کبھی معمول (OBJECT) اور کبھی اسباب و علل (CAUSES) بن جاتی ہے۔

خیزد انگیزد پرد تابد رمد　　　　سوزد افروزد کشد میرد دمد

خودی اپنے تخلیقی پروگرام کی خاطر، مختلف انداز اختیار کرتی اور گوناگوں عوامل و عناصر بناتی چلی جاتی ہے۔ اٹھتی ہے۔ پھڑکتی ہے۔ چمکتی ہے۔ دوڑتی ہے۔ جلتی ہے۔ جلاتی ہے۔ مارتی ہے۔ مرتی ہے۔ جلوہ افروز ہوتی ہے۔ غرضیکہ ہر لحظہ وہ ایک نئی شان اور نئی آن میں ہوتی ہے۔ اور اس طرح وہ پیہم تغیرات سے اپنے تخلیقی پروگرام کو تکمیل تک پہنچاتی ہے۔

ان دو اشعار میں اگرچہ علامہ اقبال نے یہ سب کچھ خودی کے متعلق کہا ہے۔ لیکن جو لوگ "ہمہ اوست" کے قائل ہیں اور اقبال کے ہاں سے بھی اس تصور کی تائیدات تلاش کرتے رہتے ہیں یہ اور اسی قسم کے اور اشعار انہیں اسی قسم کی تائیدات بہم پہنچانے میں مدد دیتے ہیں۔ اگرچہ اقبال کے نزدیک خودی وہ توانائی ہے جو رگ کائنات میں لہو بن کر دوڑ رہی ہے۔ لیکن اس تصور کے قائل خودی کو خدا سے الگ نہیں کرتے اور اس لئے وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ علامہ اقبال کے نزدیک یہ تمام کیفیات و ماجریات (جس کو انہوں نے خودی کی طرف منسوب کیا ہے) خود خدا ہی کی شئون ہیں۔ درحقیقت یہ شاعری کی جولانیاں ہیں۔ اگر علامہ اقبال ان حقائق کو نثر میں بیان کرتے تو وہ متعین طور پر کہتے کہ ان کا مفہوم دستور کیا ہے۔ اور اس سے پھر الگ الگ مفہوم نکالنے کا امکان نہ رہتا۔

خودی درحقیقت ایک تناؤ کی حالت (STATE OF TENSION) کا نام ہے اور اس کا بقا بھی اسی حالت یا کیفیت کے ساتھ وابستہ ہے۔ یعنی اگر یہ تناؤ (TENSION) مٹ جائے یا اس میں ضعف آجائے تو پھر خودی باقی نہیں رہتی۔ اور اگر اس تناؤ کی کیفیت بڑھتی چلی جائے تو خودی حیات جاوید حاصل کر لیتی ہے۔ (TENSION) کا لفظ سائیکولوجی کی اصطلاح ہے اور اس کا استعمال اس لفظ کے عام معنوں میں نہیں ہوتا۔ اس کا مفہوم نبی اکرمؐ کے ایک ارشاد گرامی سے واضح ہو سکیگا۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو وہ اس میں شریک ہو اور جب نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔ یعنی وہ ہر اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت مستعد ہو جو زندگی کے مقابل آئے اور اسے للکارے۔ اس کے بعد وہ خودی کے متعلق لکھتے ہیں۔

وسعت ایام جولانگاہ او　　　　آسماں موجے زگرد راہ او

زمانے (TIME) کی یہ لاانتہا وسعتیں خودی ہی کی جولانگاہ ہیں۔ اور اس کی بلندیوں اور پہنائیوں کا یہ عالم ہے کہ جسے ہم آسمان کہتے ہیں۔ وہ اس کی گرد راہ کی ایک لہر ہے۔

گل بہ جیب آفاق از گل کاری اش　　　　شب زخوابش روز از بیداری اش

یہ خودی ہی کی گل کاریوں اور نقوش انگاریوں کا اثر ہے کہ صحن کائنات، دامان باغبان و کف گل فروش نظر آتا ہے۔ جسے ہم رات کہتے ہیں۔ وہ خودی کی نیند ہے۔ جو ہمیں دن نظر آتا ہے۔ وہ اس کی بیداری ہے۔ اس کے جاگنے سے سارا عالم جاگ اٹھتا ہے۔ اس کے سونے سے ساری کائنات پر نیند کی غنودگی اور رات کی تاریکی چھا جاتی ہے


فردوس گم گشتہ

از:- پرویز

ان مضامین کا مجموعہ جنھوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف

صفحات ۴۱۶

قیمت:- چھ روپے۔

# عورت کا قرآن

(۲۳)

مطلب یہ ہے کہ جب کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان کو تہ تیغ کرو، یہاں تک کہ جب ان میں مقابلے کی طاقت نہ رہے اور ان کا زور ٹوٹ جائے تو پھر بقیۃ السیف کو گرفتار کرلو، سارے قرآن میں صرف ایک یہی آیت اسیران جنگ کے سلسلہ میں ہے۔ جس کا یہ پہلا ٹکڑا پیش کیا گیا ہے۔ اور جس پر "غلامی" کا جواز قیامت تک کے لئے ثابت کیا جاتا ہے۔ مگر اسی آیت کا اور بعد ہی کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے:۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

پھر یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر

یعنی جو لوگ گرفتار ہوں ان کو، اگر وہ فدیہ دیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دو اور اگر فدیہ نہ بھی ادا کریں یا نہ ادا کر سکیں تو ان کو "احسان رکھ کر چھوڑ دو" قرآن مجید نے مسلمانوں کو مشورہ نہیں، تاکیدی حکم دیا ہے کہ احسان کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل ۱۳)

بے شک اللہ تم کو عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے:

اب ذرا اس حکم کی روشنی میں اسیران جنگ کے ساتھ سلوک کے حکم پر غور کیجئے۔ بقول طلوعِ اسلام (جون ۱۹۵۳ء)۔

اس حکم کو دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ اس میں کہیں کسی پہلو سے بھی انہیں غلام بنائے رکھنے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا اس قسم کا گمان بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ اسیران جنگ کو غلام بنائے رکھو! ان کی عورتوں سے جنسی تمتع کرو! پھر جی چاہے تو انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دو! فروخت ہونے کے بعد وہ نئے خریدار کے غلام بن جائیں اور لونڈیاں ان کے مصرف میں آنے لگ جائیں!"

مالک رام کی کتاب "عورت اور اسلامی تعلیم" پر تنقید کے سلسلے میں مولانا حافظ اسلم جیراجپوری رسالہ آجکل (دہلی) کے جولائی نمبر ۱۹۵۵ء میں "غلامی" کے عنوان سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ملک یمین کے مسائل جو قرآن میں ہیں۔ وہ ان غلاموں اور لونڈیوں کی بابت ہیں جو اس حکم کے نزول سے پہلے عربوں کے ہاتھوں میں موجود تھے اسی لئے قرآن نے جہاں جہاں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ بصیغہ "ماضی" یعنی "مَلَکَتْ" کیا ہے۔ نہ کہ بصیغہ "مضارع" کیونکہ آئندہ کے لئے ان کی امکانات ہی بند کر دیئے ہیں۔ یہ ملک یمین یعنی لونڈی، غلام اس وقت عربوں کی معاشی زندگی میں اس قدر دخیل تھے کہ اگر قرآن ایک دم ان کو آزادی کا پروانہ دے دیتا تو نہ صرف آقاؤں بلکہ اکثر حالتوں میں خود ان غلاموں کو بھی مصیبت کا سامنا ہوتا اور قوم کی اقتصادی حالت میں ابتری پیدا ہو جاتی۔ اس لئے قرآن نے جس کا طریقہ تدریجی اصلاح ہے، رفتہ رفتہ ان کی آزادی دلوغلامی کا سامان کیا: قتل خطاء، نقض یمین اور ظہار وغیرہ کا کفارہ یہی رکھا کہ غلام آزاد کرو۔ نیز عام نعمتوں کے شکریہ اور گناہوں سے استغفار میں بردہ (غلام) آزاد کرنے کی رغبت دلائی۔ اگر خود کوئی غلام اپنی آزادی خریدنا چاہے تو حکم دیا کہ اس کو آزادی کا پروانہ لکھ دو۔ اور اس کی قیمت کی ادائیگی میں اپنے پاس سے مالی امداد بھی دو۔ ان سب کا مقصد یہ تھا کہ بلا کسی جبر کے خود مالکوں کی خوشی سے غلام اور لونڈی آزاد ہو جائیں۔ اور ملت اسلامیہ سے غلامی کی لعنت دور ہو جائے۔ لیکن سلاطین اور امراء اور علماء و فقہا نے اس کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ آج جب کہ سارے کفرستانوں میں "غلامی" ناجائز قرار پا چکی ہے۔ اسلام کے مرکز "مکہ مکرمہ" میں بردہ فروشی کی دکان موجود ہے اور اسلامی ممالک سوڈان وغیرہ میں اس کے تجارتی اڈے ہیں:

مولانا اسلم کو اسلامی ممالک میں "غلامی" کے جاری وساری رہنے کا شکوہ ہے۔ جس کے جواز کے لئے ان ممالک کے سامنے فقہا اور علماء کا فتویٰ موجود ہے، وہ شاید یہ نہیں جانتے کہ اسلامی ممالک کے باشندے ہر قرآنی قید و بند سے آزاد ہیں، مولانا مسعود عالم ندوی ۱۹۴۹ء میں حج کو گئے تھے۔ رمضان میں ان کا قیام بغداد میں تھا۔ ان کی ڈائری "دیارِ عرب میں" کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

## یکم رمضان ۱۳۶۸ھ ۲۷ جون ۱۹۴۹ء روز دوشنبہ

"آج رمضان ہے۔ کھانے کی اکثر دکانیں قانوناً بند ہیں۔ ریڈیو سے قرآن خوانی ہوتی ہی رہتی ہے۔ آج سے اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ مگر.... سر بازار شربت نوشی اور سگریٹ نوشی کا دور چلتا ہے۔ کسی قسم کی مطلق جھجک نہیں، ہر جگہ ایک حالت ہے، ممکن ہے یہاں بے راہ روی اور جگہوں سے زیادہ ہی ہو"


دو نئے بلند پایہ اسلامی تاریخی ناول

مرگِ یزید از:۔ خالد پرویز

چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی ازل سے برسرپیکار ہیں۔ یزدان و اہرمن، ابراہیم و نمرود موسیٰ و فرعون ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ حادثۂ کربلا بھی مظلومیٔ حق کی ایک ایسی ہی دردانگیز مثال ہے۔ مگر ہم واقعۂ کربلا سے اتنے واقف نہیں۔ جتنے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت سے آگاہ ہیں۔ ہمیں ان تاریک قوتوں کے متعلق بہت کم معلومات ہیں جو اسلام کو برباد کرنے پر تلی ہوئی تھیں اور جن کی نمائندگی یزید کرتا تھا۔

ہم یہ نہیں جانتے کہ یزید جس کے عہد میں کربلا کا خونیں واقعہ پیش آیا۔ اور تاریخ اسلام کے صفحات پر خون شہادت کی مقدس مہر ثبت ہوئی، وہ کون تھا۔ خود اس یزید کی موت کیسے ہوئی۔ کربلا کے خونیں حوادث سے پہلے اور مابعد کیا ہوا؟ یہ دردناک داستان بیک وقت ناول بھی ہے، تاریخ بھی ہے اور ایک سوانحعمری بھی

صفحات ۴۴۸۔ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپیہ بارہ آنے

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر سید ظہور احمد ندوی

وہ جواں ہمت مجاہد جس نے یورپ کے قصر شاہی میں لرزہ ڈال دیا جس کی تیغ جوہردار کا لوہا مان کر اندلس کی پہنائیاں سمٹ جاتی تھیں اور جس کی ہیبت سے شہنشاہ فرانس کا محل تھرتھرانے لگتا تھا۔ اندلس میں اسلامی حکومت کی پرشوکت اور شاندار زمانہ کی جیتی جاگتی تصویر اس کتاب میں پیش کی گئی ہے۔ صفحات ۴۱۲۔ مجلد رنگین گردپوش۔ قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

نفیس اکیڈیمی بلاسس اسٹریٹ کراچی


---

سلہ مولانا مسعود عالم ندوی اپنی ڈائری "دیارِ عرب میں" کے صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں۔ "ابن سعود کی بیویاں تو چار ہی ہیں مگر لونڈیوں کی تعداد اللہ کو معلوم۔ اسی طرح ولی عہد بہادر بھی چار بیویوں پر قانع نہیں۔ ان کے یہاں بھی لونڈیاں ہیں۔ علماء نجد نے لونڈیوں کے جواز کا فتویٰ دے رکھا ہے۔"

# پاکستان ـــــ غیروں کی نظر میں

لندن کے مشہور ہفتہ وار جریدہ "اکانومسٹ" نے اپنی ۱۳؍ اگست کی اشاعت میں پاکستان کا تازہ ولولہ سفر کے عنوان سے پاکستانی سیاست پر ایک بسیط تبصرہ کیا ہے جسے ہم بلا تائید و تردید کے بغیر اعلیٰ حالہ شائع کرتے ہیں:-

کل ۱۴؍ اگست کو اہل پاکستان اپنی قومیت کی آٹھویں سالگرہ منا رہے ہیں ہر چند اس تقریب سے ایک ہفتہ پہلے مبہم اور پریشان سیاسی سرگرمیوں کا اچانک سلسلہ شروع ہو گیا تاہم افق پر نئی امیدیں بھی ابھرتی نظر آتی ہیں۔ پاکستان ابھی تک نشیب و فراز راہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا لیکن اس کے سفر کے آسان تر ہونے کے امکانات بڑے روشن ہو گئے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ وہ موڑ مڑ چکا ہے جہاں سے یہ تباہی کی طرف بھی جا سکتا تھا۔ چند ہی ہفتہ پیشتر پاکستان میں پارلیمانی طرز سیاست کا خاتمہ بالکل قریب دکھائی دیتا تھا۔ پچھلے جیسے یہ حالت تھی کہ فوجی اور سول حکام جنھوں نے مملکت کو استوار و متوازن بنانے میں حقیقی کام کیا ہے اور جنھوں نے مداخلت کر کے احتزابی سیاست دانوں کا ہاتھ روکا اور ان کے ہاتھوں ملک کو فوضویت کا شکار ہونے سے بچایا، یوں محسوس کر رہے تھے گویا ایک دفعہ پھر اس سارے گند کا پوری طرح صفایا کرنا ہوگا باوجودیکہ تا دم تحریر نئی وزارت کی تشکیل نہیں ہوئی یہ آثار پیدا ہو گئے ہیں کہ حکومت کو اس قسم کے اقدام کی ضرورت در پیش نہیں آئیگی۔ اب فضا ایک نئی حقیقت پسندی سے ہموار ہو رہی ہے۔

اگر اب پاکستان اپنی راہ ہموار کرنے اور اسے ہموار رکھے تو اس کے نتائج بڑے حوصلہ افزا ہونگے۔ یہ پاکستان ہی کے حق میں مفید نہیں ہوگا بلکہ اس سے ان تینوں اقوام کے گروہوں کو فائدہ پہنچے گا جن پر پاکستان اپنا اثر ڈال سکتا ہے یہ تین گروہ ہیں دولت مشترکہ، عالم اسلامی اور کولمبو حلقہ اقوام۔ پاکستان اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں سے بے خبر نہیں۔ اس کی سیٹو میں شمولیت ترکی اور عراق سے روابط اور بنڈونگ کانفرنس میں اس کا کردار اس پر شاہد ہیں کہ اسے ان کا پورا شعور حاصل ہے؛ یہ درست ہے لیکن بیرونی دنیا کو ابھی یہ شبہ ہے کہ پاکستان اپنا کردار بطریق احسن پورا کر سکتا ہے یا نہیں۔ کئی پاکستانی بھی اس شبہ سے محفوظ نہیں۔

۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۴ء کے صبر آزما سالوں میں پاکستان جن گوناگوں بحرانوں سے دوچار ہوا ان سے عام مایوسی پیدا ہو گئی معاشی بحران سے تو بصد مشکل چھٹکارا حاصل کر لیا گیا لیکن سیاست میں یاس اور بددلی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آسرے بنتے تھے اور بن بنکر ٹوٹتے تھے۔ امیدیں ابھرتی تھیں اور ابھر ابھر کر دم توڑتی تھیں۔ غرضیکہ ایک عجیب کشمکش اور بیم و رجا کا عالم تھا۔ سابقہ مجلس دستور ساز جسے بیسویں صدی کی "طولانی پارلیمان" کہنا چاہئیے حقائق سے دور سے دور تر ہوتی گئی اور رائے عامہ سے اس کا کوئی علاقہ نہ رہا۔ وہ غیر نمائندہ ہی نہیں تھی، ملک میں عضویت کی طرح بھی قائل رہی تھی۔ جب اس نے اپنے آپ کو دوام دینا چاہا تو اسے ختم کر دینا پڑا۔ مسلم لیگ یعنی پاکستان کی بانی جماعت اپنے مقصد سے یکسر غافل ہو گئی، اس کا شیرازہ بکھر گیا اور اس کی شہرت زائل ہو گئی۔ مغربی پاکستان میں صوبائی اور ریاستی سیاست ہوس جاہ کا اکھاڑہ بن گئی اس کے برعکس مشرق میں بنگالی علیحدگی کا جذبہ پیدا ہو گیا جسے کراچی کے تغافل اور بے عملی نے فروغ دیا اس سے ملک دوگونہ عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ ایک طرف از حد شخصی سیاست کی دسیسہ کاریاں تھیں اور دوسری طرف مملکت کے مذہبی ہونے کی ملایانہ موشگافیاں ملک کا اللہ ہی مالک تھا۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صعوبات راہ داستان ماضی بن گئی ہیں۔ تاہم نئی حقیقت پسندی ان میں سے بعض کا قلع قمع کر دے گی اور بعض کو یوں محدود کر دے گی کہ ان سے عہدہ برآ ہونا آسان ہو جائیگا۔ نئی اور زیادہ نمائندہ مجلس دستور ساز تشکیل پذیر ہو چکی ہے اور پبلک بے صبری سے انتظار کر رہی ہے کہ جو ترمیم یافتہ مسودہ آئین اس کے پیش نظر ہے اس کا فیصلہ کرے۔ اس مسودہ کی رو سے مغرب کے چار صوبوں اور نو ریاستوں کو ملا کر ایک وحدت بنا دیا جائیگا۔ اس سے چھوٹی چھوٹی حد بندیاں اور ان سے پیدا شدہ انتظامی گڑ بڑیاں اور فساد ختم ہو جائیں گے۔

نئے صوبے کی ہیئت کا خاکہ تیار کر لیا گیا ہے۔ اور بھی سب کچھ تیار ہے۔ ادغام اس صفائی سے کیا جا رہا ہے کہ اس سے جن ارباب سیاست سے ما بعد اقتدار چھن جائیں گی وہ بھی اس کی مخالفت کے لئے گنجائش نہیں نکال سکے۔ نئی انتظامی مشینری مقامی حکام کے ہاتھ یوں مضبوط کر دے گی کہ اس سے صلاحیت کار بڑھے گی اور ملک میں اطمینان پھیلے گا۔

مسلم لیگ، جو ملک میں تو کافی حد تک اعتماد کھو بیٹھی تھی۔ لیکن مجلس دستور ساز میں بدستور سیاہ سپید کی مالک تھی، اب صحیح پوزیشن پر آ گئی ہے۔ اس ہفتہ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مسلم لیگ کا باغی مسٹر سہروردی، امور سیاسی میں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ ان کی پشت پر منظم جماعت عوامی لیگ ہے اور انھیں با اثر "آزادوں"، شائد پنجاب کے ملک فیروز خاں نون کی تائید بھی حاصل ہے سرکاری حکام بھی ان کی قابلیت کا لوہا مانتے ہیں۔ وزیر قانون کی حیثیت سے مسٹر سہروردی نے آئین کی نگرانی کی ہے اور وحدت مغربی کا خاکہ تیار کیا ہے۔ ان کو اس وقت حکومت سے نکال کر مخالف بنا لینا بڑے نقصان کا باعث ہوگا۔ مسٹر محمد علی کا زوال عجیب انعام ہے ان خدمات کا جو انھوں نے ملک کے لئے بین الاقوامی میدان میں سر انجام دیں۔ یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ امریکہ نے ان صبر آزما سالوں میں پاکستان کو مدد دی۔ لیکن قطع نظر اس سے کہ مسٹر محمد علی کی سیاسی چالوں نے ملکی سیاست میں پراگندگی پھیلا دی، ان کا استعفا حقیقت پسندی کا ایک اور ثبوت ہے عوام اور ارباب سیاست میں ان کا کوئی قابل ذکر پیرو کار نہیں رہا تھا مزید براں ان کا استعفا اور مسلم لیگ کی شاخ تراشی نے چودھری محمد علی جیسی واجب الاحترام شخصیت کی وزارت عظمیٰ کا راستہ صاف کر دیا۔ چودھری صاحب نے وزیر خزانہ کی حیثیت سے قومی محاصلات کو متوازن رکھا ہے۔ انھوں نے حال ہی میں ایک ضرب کاری سے۔ جو کتنی ہی متاخر کیوں نہ ہو۔ پاکستانی روپے کو قدر زائد سے نجات دلا دی ہے۔

یہ چودھری صاحب ہی کی ہنر مندانہ مساعی کی برکت ہے کہ بساط سیاست پر سائے لباس حقیقت پہنتے جا رہے ہیں اور ملک کی معاشی اساس استوار ہو گئی ہے۔ اب قحط کا خطرہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اناج کے قابل قدر ذخیرے قائم کئے جا چکے ہیں اگر، جیسا کہ قرآئن سے ظاہر ہوتا ہے، پنجاب کے دریائی پانی کی تقسیم کا عارضی سمجھوتہ مستقل ہو گیا اور ہندوستان سے نزاع کا خاتمہ ہو گیا تو اس سلسلہ میں بے یقینی کا ایک اور عنصر دور ہو جائے گا۔ روپے کی قیمت میں کمی کر کے اسے ہندوستانی روپے کے برابر کر دینا ایک عرصے سے ناگزیر نظر آ رہا تھا لیکن اس ہفتے کے شروع میں یہ اقدام بڑی چابکدستی سے کیا گیا۔ معاشی استحکام جو اس اقدام کا نتیجہ بلکہ پہلا پھل ہونا چاہئیے پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ قدرتی گیس سوئی (بلوچستان) سے مہیا ہونا شروع ہو گئی ہے اس سے ایندھن کی دشواری بھی کم ہو رہی ہے اور باہر سے ایندھن کی درآمد کا خرچ بھی کم ہو رہا ہے۔ اب جو صنعتی ترقی ہو رہی ہے جس کی منصوبہ بندی۔ ایک حد تک سوئی گیس کی اساس پر ہو رہی ہے ایک مناسب شکل اختیار کر رہی ہے جو معقولیت اور حقیقت پسندی پر مبنی ہے۔ مثلاً کپڑے کی بعض اقسام کے سلسلہ میں برآمد بڑھانے کا جوڑ نہیں اپنایا جا رہا بلکہ خود کفالتی کا مقصد پورا کیا جا رہا ہے۔ اب پاکستان کوریا کی جنگ سے پیدا شدہ فراوانی کا خواب نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ برآمد سے زیادہ آمدنی اور زیادہ محصولات ضرور پیدا کر سکتا ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیاست یا معاشیات میں ستانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ پاکستان قدرتی طور پر امیر ملک نہیں اور ابھی اس کے پاس اعلیٰ فنی ماہرین اور منتظمین کی بھی از حد کمی ہے۔ اس کے جغرافیائی طور پر علیحدہ حصوں کو آئین کا ماہر سے ماہر بھی ہاتھ کی صفائی سے ملا نہیں سکتا۔ اسی طرح بنگالی، پنجابی، پٹھان اور سندھی کے مابین خلیج افتراق کو انتہائی قابل انتظامیہ سے بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن چند ایسے افراد موجود ہیں جن کی نگاہ کا افق بین الصوبائی نزاعات سے بلند تر ہے۔ ان میں مسلمہ دیانت اور اہلیت کے مالک بھی ہیں۔ ان میں سے نمایاں چودھری محمد علی ہیں۔ ان کی وجہ سے حکومت اور پارٹی میں فاصلہ ایک حد

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

# ناقابل فراموش حقیقتیں

## حضرت عمرؓ کا مکتوب گرامی حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
عبداللہ عمر امیر المؤمنین کی طرف سے امین الامۃ (ابو عبیدہ) کو سلام علیک!

تم کو معلوم ہو کہ جبلہ بن ایہم غسانی اپنے چچا زاد بھائیوں اور خاندانی اکابر کے ساتھ ہمارے پاس آیا تھا، میں نے ان کی آؤ بھگت کی، سب نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، ان کے اسلام سے مجھے خوشی ہوئی، کیونکہ ان کے ذریعہ اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کو قوت عطا کی، مگر پردۂ غیب میں جو چھپا تھا اس کا حال مجھکو معلوم نہ تھا۔ ہم حج کے لئے مکہ گئے، جبلہ نے بیت الحرام کے سات طواف کئے دوران طواف میں اسکا ازار ایک فزاری عرب کے پیر تلے آگیا اور ازار کھل کر کندھے سے گر پڑا۔ جبلہ نے بڑھکر فزاری کو دیکھا اور کہا: "تیرا برا ہو تو نے خدا کے حرم میں مجھے ننگا کر دیا۔ فزاری نے کہا خدا کی قسم میں نے قصداً ایسا نہیں کیا۔ تاہم جبلہ نے اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس کی ناک زخمی ہو گئی اور اسکے اگلے چار دانت ٹوٹ گئے۔ فزاری میرے پاس فریاد لیکر آیا، میں نے جبلہ کو بلوایا اور کہا کہ تم نے اپنے فزاری بھائی کے کیوں تھپڑ مارا اور اس کے اگلے چار دانت توڑ دیئے اور اس کی ناک زخمی کردی؟" جبلہ نے کہا اس نے پیچھے سے میری ازار دبا کر کھول دی، خدا کی قسم اگر بیت اللہ کی حرمت کا مجھے خیال نہ ہوتا تو اس کو مار ڈالتا" میں نے کہا کہ تم نے جرم کا اقبال کیا ہے۔ اب یا تو وہ تم کو معاف کردے یا میں اس کا تم سے قصاص لونگا؛ جبلہ نے کہا۔ مجھ سے قصاص لیا جائے گا۔ حالانکہ میں بادشاہ ہوں اور وہ ایک معمولی عرب ہے!" میں نے کہا۔ تم دونوں مسلمان ہو۔ میں تمہارے اور اس کے درمیان اسلامی قانون کے بموجب فیصلہ کروں گا۔ جبلہ نے مجھ سے اگلے دن تک مہلت مانگی۔ اس مہلت کیلئے فزاری بھی چپ ہو گیا۔ جب رات ہوئی تو وہ اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ اونٹوں پر سوار ہو کر شام کی طرف کلب الطاغیہ (رومی قیصر) کے پاس نکل بھاگا، مجھے امید ہے کہ خدا نے چاہا تو وہ تمہارے ہاتھ آئے گا۔

والسلام علیک وعلی جمیع المسلمین؛ (فتوح الشام)

## مزید ارشادات

(۱) حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے گورنروں کو ہدایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی پر کوئی سختی نہ کریں اور نہ لوگوں کا مال غصب کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تم میں سے جس کے ساتھ حکومت کے آدمی ناجائز سختی کو پیش آئیں ان کا مقدمہ میرے پاس پیش کیا جائے۔ میں ان سے باز پرس کروں گا اور اسے اسکی سختی کا مزہ چکھاؤں گا

آپ کے اس خطاب کو سنکر حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا

کیا آپ ایسے شخص سے بدلہ اور قصاص لیں گے جو رعایا کو ادب سکھائے۔

آپ نے یہ سنکر فرمایا

ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں یقیناً اس سے بدلہ لونگا۔ اور کیسے نہ لوں جبکہ میں نے خود آنحضرتؐ کو اپنے آپ سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔

(۲) دوسرا ارشاد

اگر کسی حاکم کے ذمے یہ فریضہ ہو کہ وہ کسی اہم شعبہ کے لئے کسی ذمہ دار آدمی کا انتخاب کرے۔ اور وہ اس کے لئے کسی آدمی کو اس بنا پر منتخب کرے کہ اس سے اس کی رشتہ داری یا دوستی تھی۔ تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔

(۳) حضرت عمرؓ جب عاملوں کو بھیجتے تو یہ زرین ہدایت فرماتے

ان لا ترکبوا برذونا ولا تاکلوا نقیا ولا تلبسوا رقیقا ولا تغلقوا ابوابکم دون حوائج الناس فان فعلتم شیئا من ذالک فقد حلت بکم العقوبۃ

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

عمدہ گھوڑے پر نہ سوار ہونا، اور نہ میدہ کھانا، نہ باریک کپڑا استعمال کرنا، اور نہ ضرورت مندوں پر اپنا دروازہ بند کرنا، اگر تم نے ان میں سے کوئی بات کی، تو تم پر عقوبت اور سزا نازل ہوگی۔

(۴) جنگ قادسیہؓ کے موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بحیثیت سفیر رستم کی فرودگاہ میں پہنچے تو رستم نے اسلامی سفیر کو مرعوب کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا کہ خود بیچ دربار میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا تاج سر پر رکھ کر بیٹھ گیا، اور یہاں سے وہاں تک دورویہ زرنگار پردے لٹکائے، ریشم کے نفیس فرش بچھوائے، درباریوں کو بیچ در بیچ کرا دھر ادھر بٹھا دیا، اور خدام کو دورویہ کھڑا کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اس ظاہری نمائش سے کب مرعوب ہوتا، حضرت مغیرہؓ گھوڑے سے اتر سیدھے رستم کے پاس پہنچ گئے اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے، ان کی اس جرأت پر سارا دربار حیرت زدہ رہ گیا، اور شاہی آداب کے خلاف سمجھا، چنانچہ ایک آدمی بڑھا اور مغیرہؓ کو تخت سے اتار دیا، یہ دیکھکر حضرت مغیرہؓ نے برجستہ فرمایا

اے سرداران ایران! ہم تو تم کو عقل مند سمجھتے تھے لیکن تم بڑے بیوقوف نکلے، ہم مسلمان بندوں کو خدا نہیں بنایا کرتے اور کمزور انسانوں پر طاقت ور لوگوں کی آقائی کے قائل نہیں، ہمارا خیال تھا کہ تمہارے ہاں بھی یہی دستور ہوگا، بہتر یہ تھا کہ تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ تمہارے یہاں کمزور طاقت ور کی پرستش کرتے ہیں اور انھیں دیوتا بنا کر اونچی جگہ بٹھاتے ہیں، انسانی مساوات کا اصول تمہیں تسلیم نہیں، اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں ہرگز تمہارے دربار میں نہیں آتا، خیر اب تو میں آ گیا لیکن تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ سلطنت قائم رہنے کے یہ ڈھنگ نہیں! زیر دستوں کی بے قراری تمہارے اقتدار کی بساط الٹ دے گی"

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا نظریہ حاکم و محکوم کے بارے میں کیا ہے! اور اسلام حکومت کے فرماں رواؤں کو کس ڈھنگ سے زندگی گذارنے کی تعلیم دیتا ہے۔

(۵) ابومسلم خولانیؒ حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا

السلام علیک ایھا الاجیر (اے مزدور تم پر سلامتی ہو)

لوگوں نے کہا کہ یہ آپ کیا کہتے ہیں، یوں کہئے "السلام علیک ایھا الامیر" یہ سن کر ابومسلم خولانی نے پھر دہرایا "السلام علیک ایھا الاجیر"

لوگ بار بار اصرار کرتے رہے کہ "ایھا الامیر" سے خطاب کیجئے، مگر یہ ہمیشہ "ایھا الاجیر" ہی سے خطاب کرتے رہے، حضرت معاویہؓ جو اس ردوکد کو سن رہے تھے فرمایا "ان کو چھوڑ دو جو کچھ کہتے ہیں اسے اچھی طرح جانتے ہیں" ابومسلم خولانی نے تشریح فرمائی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

آپ مزدور ہیں، ان بکریوں (مخلوق) کے رب نے آپ کو ان کی حفاظت کے لئے اجرت پر مقرر کیا ہے، اگر آپ نے ان بکریوں کے مرض کی دیکھ بھال کی اور جو بیمار رہیں ان کا دوا علاج کیا اور ان میں سے ایک کی زیادتی کرنے کو دوسرے پر روکا، تو ان بکریوں (مخلوق) کا مالک آپ کو پورا پورا اجر عطا کرے گا اور اگر آپ نے ان باتوں میں سے کوئی ذمہ داری نہ ادا کی تو مالک سزا دے گا۔


علاج

ہر قسم کی پرانی اور پیچیدہ بیماریوں خاص کر تپ دق اور پیچش سے نجات کیلئے ہم سے رجوع کریں۔

اوقات مطب

شام ۵ بجے سے ۸ بجے تک۔

نوٹ:- غریبوں کو دوائی مفت۔

کوثر دواخانہ۔ آگرہ تاج کالونی کراچی

# وہ اندھا جس نے پوری قوم کو آنکھیں دیں

شاہ فاروق کی علیحدگی کے بعد جنرل نجیب نے قاہرہ میں اپنے ان فوجی افسروں کا ایک اجتماع کیا جنھوں نے اس انقلاب کی کامیابی کے لئے اس کی مدد کی تھی۔ اس میں اس نے اپنے فوجی رفقاء کے علاوہ ایک غیر فوجی کو بھی مدعو کیا۔ یہ تھا طہٰ حسین۔ ۶۴ سالہ مصنف اور ماہر تعلیم۔ نجیب نے طہٰ سے کہا کہ وہ اس اجتماع سے خطاب کرے۔ یہ بوڑھا اپنی جگہ سے اٹھا اور مجمع سے کہا کہ

محض ڈسپلین اور نظم و ضبط کافی نہیں، وہ حکومت جو
نظم و ضبط تو قائم کرے لیکن آزادی کو ختم کر دے وہ اُنہی
کی طرح ہے آج جو روس میں فولادی پردے کے پیچھے
ہیں۔ جہاں ایک انسانی فرد کو چیونٹی بنا کر رکھ دیا گیا ہو۔

ڈاکٹر طہٰ حسین اس نقطہ کو واضح کرتا چلا گیا اور جب اس نے اپنی تقریر کو ختم کیا تو کمرہ میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کچھ فوجی افسر ایسے بھی تھے جنھوں نے ان خیالات کو چنداں وقعت نہیں دی لیکن جنرل نجیب اٹھا اور طہٰ حسین کو گلے سے لگا لیا اور اپنے رفقاء کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب طہٰ حسین کے ان الفاظ کو اپنے دلوں میں جگہ دیں۔ یہ الفاظ ہماری تحریک کا سنگ بنیاد ہیں۔

طہٰ حسین مشرق وسطیٰ میں گذشتہ تیس سال سے جہالت اور استبداد کے خلاف مصروف جدوجہد ہے۔ مصر کی ملوکیت کو ختم کرنے میں اسکی کوششیں کسی دوسرے سے کم نہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے ملک میں تقریر و تحریر کی آزادی کی قدر و قیمت کو ایک ایک سے منوا لیا ہے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر اس کا معرکۃ الآرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنی حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ مصر کے ایک ایک بچہ کی مفت تعلیم کا انتظام کرے۔ یہ وہ چیز ہے جو کسی دوسرے عرب ملک کو ابھی تک نصیب نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر طہٰ حسین نے یہ سب کچھ ایک ایسے مانع کی موجودگی میں کیا ہے جو دوسروں کو خود اپنی روٹی کے لئے بھی غیروں کا محتاج بنا دیا کرتا ہے۔ وہ تین برس کا بچہ تھا کہ بالکل اندھا ہو گیا اور اس وقت سے آج تک بینائی سے محروم ہے۔ لیکن اس نے عمر بھر اس بات کو تسلیم ہی نہیں کیا کہ بینائی سے محرومی انسان کے راستہ میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔ ابھی حال ہی کا ذکر ہے کہ جب اس کے ایک دوست نے اس سے کہا کہ بینائی کا نہ ہونا آپ کے راستہ میں کتنی بڑی رکاوٹ ہے تو طہٰ حسین نے مسکرا کر کہا کہ آپ اسے رکاوٹ کہتے ہیں اور میں تو اسے ایک نعمت تصور کرتا ہوں کتنی بے معنی اور غیر ضروری باتیں ہیں جو آنکھوں کے نہ ہونے کی وجہ سے میرے ذہن کو اپنی طرف کھینچ ہی نہیں سکتیں۔

منحنی جسم، متوسط قد، پاکیزہ خط و خال۔ سفید بال۔ شستہ مغربی لباس۔ سیاہ چشمہ۔ یہ ہے ڈاکٹر طہٰ حسین جسکے قریب جانے سے فوراً اجنبیت ختم ہو جاتی ہے اور چند ہی لمحوں میں اس کے قہقہے فضا میں گلفشانی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

طہٰ حسین ایک غریب کسان کا لڑکا تھا جس کے تیرہ بچے تھے وہ شمالی مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا۔ ابھی تین ہی سال کا تھا کہ اس نے محسوس کیا کہ اس کے بھائی بہن جن چیزوں کا ذکر کرتے ہیں وہ اسے دکھائی نہیں دیتیں۔ یعنی تین برس کی عمر میں اس کی بینائی جاتی رہی۔ اور یہ چیز صرف طہٰ حسین کے ساتھ ہی واقع نہیں ہوئی۔ مصر کی دیہاتی آبادی کے قریب پچاس فیصدی بچوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے۔ لیکن طہٰ حسین نے سڑک پر بھیک مانگنے کے بجائے مکتب کا رخ کیا۔ تھوڑے سے عرصہ میں اس نے قرآن حفظ کر لیا اور جو کچھ مکتب میں پڑھایا گیا اس میں یہ اپنے ہم سبق بچوں میں سب سے آگے تھا۔ اس کی ذہانت کی بنا پر اسے مزید تعلیم کے لئے شہر میں بھیج دیا گیا جہاں اس نے جامعہ ازہر میں اپنی شاندار کامیابی کی بنا پر وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۹۱۴ء میں اس نے اسی یونیورسٹی سے پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہ سب سے پہلی ڈگری تھی جو اس یونیورسٹی کی طرف سے کسی کو ملی تھی۔ اس کی بے مثال ذہانت اور فطانت کی بنا پر اسے پیرس بھیج دیا گیا جہاں اس نے پی ایچ ڈی کی ایک اور ڈگری حاصل کر لی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک فرخندہ جبین فرانسیسی بیوی بھی جس کے ساتھ اس نے ۱۹۱۸ء میں شادی کی۔

وطن میں واپسی پر وہ قاہرہ یونیورسٹی میں عربی ادب کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس نے پہلے ہی دن اپنے طالبعلموں کو یہ سبق دیا کہ وہ کسی معاملہ میں تقلید نہ کریں بلکہ ہر مسئلہ کا مطالعہ آزادانہ کریں۔ یہ تصور مصر کی فضا میں یکسر غیر مانوس اور ایک قسم کی بہت بڑی بدعت تھا۔ وہاں تو سکھایا یہ جاتا تھا کہ جو کچھ تمہیں اسلاف سے ملے اسے آنکھیں بند کر کے قبول کرتے چلے جاؤ۔ اسلئے کہ ؏

خطائے بزرگان گرفتن خطا است

حتیٰ کہ وہ توہم پرستانہ افسانے جن کے متعلق بادی النظر میں معلوم ہو جائے کہ وہ محض ذہن انسانی کے تراشیدہ ہیں انھیں بھی ابدی حقیقت سمجھا جائے۔ طہٰ حسین نے اس باب میں ایک کتاب لکھی جس میں پوری پوری تحقیق کے بعد بتایا کہ اس قسم کے تمام معتقدات محض افسانے ہیں جنھیں اسلام سے کچھ تعلق نہیں اس کتاب نے دجیسا کہ ہر ملّا زدہ ملک میں ہونا چاہئے) مصر کی فضا میں ہیجان پیدا کر دیا اور طہٰ حسین کے خلاف اس قدر شور اٹھا کہ حکومت کو ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنا پڑا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور دیانتداری پر مبنی لیکن اس کے باوجود پارلیمنٹ میں ایسا قدامت پسند طبقہ موجود تھا جو اس پر زور دیتا تھا کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے۔ اس مسئلہ نے پارلیمنٹ میں بھی طوفان برپا کر دیا وزارت کی طرف سے طہٰ حسین کی تائید ہوتی تھی لیکن مخالف طبقہ نے حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد پیش کر دی آخر الامر طہٰ حسین کو کامیابی ہوئی اور اس سے نہ صرف یہ کہ اس کی کتاب ضبط نہ ہوئی بلکہ مصر میں پہلی مرتبہ تحریر و تقریر و فکر کی آزادی کو تسلیم کیا گیا۔

۱۹۳۰ء میں طہٰ حسین قاہرہ یونیورسٹی کا ریکٹر منتخب ہوا۔ اس کی صاف گوئی اور حریت پسندی کی وجہ سے مصر کا وزیر اعظم اسماعیل صدقی اس کا سخت مخالف ہو گیا، اور اس سے کہا کہ یا تو وہ یونیورسٹی میں حکومت کے خلاف تنقید کو بند کر دے یا اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائے۔ طہٰ حسین نے بہتیرا چاہا کہ وزیر اعظم کو سمجھائے کہ وہ غلطی پر ہے لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی طہٰ حسین نے اپنی تنقید کو بدستور جاری رکھا اور یونیورسٹی کے معاملات میں حکومت کی دخل اندازی کے خلاف ہمیشہ احتجاج کرتا رہا۔ حکومت سے اس تصادم کی وجہ سے طہٰ حسین بڑی مشکلات میں پھنس گیا۔ ادھر اس کا ایک بچہ ایسا بیمار ہوا کہ اس کے پاس جو کچھ پونجی تھی وہ اس کے علاج میں صرف ہو گئی اور اسے اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے قرض مانگنا پڑا۔ اس نے مسلسل تین سال تک قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ مختلف نوعیتوں کی جسمانی اور ذہنی جراحتیں برداشت کیں۔ حتیٰ کہ بعض اوقات فرشتہ اجل کے دبے پاؤں کی آہٹ کو بھی سنا لیکن اس سے نہ اس کے عزم میں فرق آیا نہ کام کی رفتار میں کسی قسم کی تبدیلی۔ اس تین سال کے عرصہ میں اسنے سات گراں بہا کتابیں لکھ ڈالیں۔ ان میں سے بعض کتابیں مصر میں ضبط کر لی گئیں لیکن ان سے اس کی شہرت تمام مشرق وسطیٰ میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ آخر الامر ۱۹۳۳ء میں صدقی برطرف ہوا اور طہٰ حسین پھر اپنے عہدہ پر بحال کر دیا گیا اور اسکی بحالی کے ساتھ ہی مصر کی تمام درسگاہوں کو آزادی نصیب ہو گئی۔

اس تین سالہ صعوبات کے تجربہ نے طہٰ حسین پر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جب تک قوم کے لوگوں میں تعلیم کو عام نہ کر دیا جائے انہیں صحیح جمہوریت نصیب نہیں ہو سکتی چنانچہ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ حکومت کو مجبور کرے گا کہ وہ ملک کے ہر ایک بچہ کے لئے مفت تعلیم کا انتظام کرے۔ مفت تعلیم کا خیال آج کوئی انقلابی خیال تصور نہیں کیا جا سکتا لیکن اس زمانہ کے مصر میں۔ اور ایک مصر ہی پر کیا موقوف ہے تمام عرب ممالک میں اس قسم کا خیال فی الواقع بہت بڑا انقلابی خیال تھا۔ مفت تعلیم تو ایک طرف، مصر میں ابھی کل تک یہ کیفیت تھی کہ حکومت پرائمری کے درجہ میں ایک بچہ سے بیس پونڈ سالانہ بطور فیس وصول کرتی تھی حالانکہ بیس پونڈ سالانہ وہاں کے کاشتکار کی سالانہ آمدنی کے برابر تھے۔ ڈاکٹر طہٰ حسین نے اس فیس کے خلاف علم جہاد بلند کیا اسکی دلیل یہ تھی کہ علم ایسی جنس نہیں جسے منڈیوں میں فروخت کیا جائے۔ یہ سورج کی روشنی اور تازہ ہوا کی طرح فطرت کا عطیہ ہے جو ہر اس شخص کے لئے مفت کھلا ہونا چاہئے جو اسے حاصل کرنے کی تڑپ اپنے اندر رکھتا ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ تھا کہ حکومت کے پاس اس قسم کی

عیاشی کے لئے روپیہ نہیں۔ لیکن اصل اعتراض اقتصادی نہیں تھا۔ شاہ فاروق اور اس کے حواری اس خطرہ کو محسوس کرتے تھے کہ اگر ملک کے غریب لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ گئے تو وہ اپنی موجودہ حالت سے غیر مطمئن ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں طٰہٰ حسین کہتا تھا کہ اس غریب طبقہ کی جو حالت ہے اسے اپنی حالت سے غیر مطمئن ہونا چاہئیے۔ اگر وہ غیر مطمئن نہ ہوگا تو اس کی حالت کی اصلاح ہی نہ ہو سکیگی۔ شروع شروع میں طٰہٰ حسین کی سخت مخالفت ہوئی۔ نہ صرف حکومت کی طرف سے بلکہ پریس کی طرف سے بھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے عوام کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے اس جہاد کو جاری رکھا۔ تا آنکہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں پارلیمینٹ میں سب سے پہلی بار اس فیصلہ کا اعلان ہوا کہ آج سے ملک میں پرائمری تک کی تعلیم مفت دی جائے گی۔

لیکن طٰہٰ حسین اس سے مطمئن نہیں ہوا۔ وہ اس فیس کے بھی خلاف تھا جو حکومت کی طرف سے ثانوی مدارس میں وصول کی جاتی تھی۔ اس نے اپنی اس تجویز کو پیش کیا تو حکومت نے کہا کہ وہ وزیر تعلیم کے ساتھ بطور مشیر کام کرے اور اس طرح دیکھے کہ اس کا پروگرام کس حد تک قابل عمل ہے۔ اس حیثیت میں ڈاکٹر حسین نے حکومت سے یہ منظور کرا لیا کہ بچوں کو دوپہر کا کھانا اور طبی امداد مفت ملا کرے۔ نیز اس نے اسکندریہ یونیورسٹی کی بھی بنیاد رکھی جس میں اسوقت قریباً آٹھ ہزار طالبعلم تعلیم پا رہے ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں حکومت نے طٰہٰ حسین کی خدمت میں وزارت تعلیم کا عہدہ پیش کیا۔ اس نے کہا کہ میں اس پیش کش کو اس شرط پر قبول کر سکتا ہوں کہ مجھے اس کا پورا پورا اختیار دیا جائے کہ ملک کو جس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے میں اس تعلیم کو رائج کر سکوں۔ چونکہ اس وقت حکومت کو خطرہ تھا کہ اگر ڈاکٹر حسین کی تجویز کی مخالفت کی گئی تو اس سے بڑی بدنامی ہوگی اور اگر وہ کیبنٹ میں شامل ہو جائے تو اس سے خود کیبنٹ کا مقام بلند ہو جائیگا اس لئے حکومت نے اس کی اس شرط کو فوراً قبول کر لیا۔ ڈاکٹر حسین نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ثانوی تعلیم کو مفت کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بل پیش کر دیا کہ سترہ سال کی عمر تک ہر بچہ کو جبری تعلیم دی جائے۔ اس پر پھر ایک طوفان اٹھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ اتنے اسکول اور اتنے اساتذہ کہاں سے آئیں گے۔ حسین نے کہا کہ اس کا انتظام میں کرونگا۔ اسنے گاؤں گاؤں جا کر مدرسوں کے لئے مکان حاصل کئے اور تھوڑے ہی دنوں میں قریب ڈھائی ہزار مکانوں کا انتظام کر لیا۔ اساتذہ کے لئے اس نے جدید قسم کا ٹریننگ کورس وضع کیا جس سے اس نے اٹھارہ مہینوں میں بارہ ہزار نئے استاد تیار کر دیئے۔ جہاں تک حکومت سے روپیہ حاصل کرنے کا تعلق تھا اس نے حکومت کے اس کمزور پہلو سے خوب فائدہ اٹھایا کہ وہ اپنی نیک نامی کے لئے طٰہٰ حسین کو وزارت میں رکھنا چاہتی تھی۔ طٰہٰ حسین اپنی جیب میں ہر وقت اپنا استعفیٰ رکھتا تھا جونہی کسی مقام پر حکومت روپیہ دینے میں پس وپیش کرتی وہ جھٹ سے اپنا استعفیٰ نکالکر میز پر رکھ دیتا اسے استعفیٰ بھی واپس مل جاتا اور اس کے ساتھ مطلوبہ روپیہ بھی۔

وزیر تعلیم کی حیثیت میں ڈاکٹر حسین نے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی بہترین کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں اور مصر کے سینکڑوں نوجوانوں کو امریکہ اور یورپ کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔

لیکن طٰہٰ حسین کے راستہ میں شاہ فاروق ایک سنگ گراں بن کر حائل تھا۔ طٰہٰ حسین کھلے بندوں شاہ فاروق پر اعتراضات کرتا اور کسی جائز تنقید سے کبھی نہ جھجکتا۔ حکومت نے اسکے میگزین کو بند کر دیا تاکہ وہ اپنے خیالات کو پھیلا نہ سکے۔ ایک دفعہ اسے ایک مضمون کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا لیکن عدالت نے اسے تھوڑے سے جرمانہ کی سزا دیکر چھوڑ دیا۔

جنرل نجیب نے شاہ فاروق کے خلاف ۱۹۵۲ء میں جو انقلابی قدم اٹھایا تھا ڈاکٹر حسین کا اس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا یہ ایک خالص فوجی اقدام تھا اور اس زمانہ میں طٰہٰ حسین مصر میں موجود بھی نہیں تھا وہ اٹلی میں تھا۔ لیکن اسکے باوجود یہ حقیقت ہے کہ شاہ فاروق کے خلاف طٰہٰ حسین کی مسلسل کوششوں سے مصر کی فضا اس انقلاب کے لئے بالکل ہموار ہو چکی تھی۔

حسین آج قاہرہ کے نواح میں ایک سادہ سے مکان میں اپنی بیوی کے ساتھ اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسکی لائبریری میں فرانسیسی، یونانی، عربی زبان کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں جسے کوئی نہ کوئی اسے پڑھکر سناتا رہتا ہے۔ موسیقی سے اسے خاص شغف ہے وہ اپنا بیشتر حصہ تالیف وتصنیف کے کام میں گزارتا ہے۔ مصر کا ملک جتنے بڑے بڑے اعزازات کسی کو دے سکتا تھا وہ سب ڈاکٹر حسین کو دئیے جا چکے ہیں۔ اپنے ملک سے باہر آکسفورڈ، روم، لیونز۔ اور دوسری بڑی بڑی یونیورسٹیوں نے اسے آنریری ڈگریاں دی ہیں۔ بلجیم، فرانس اور یونان کی حکومتوں نے اسے خاص عطیے دئیے ہیں۔ ایک دفعہ یہ تجویز بھی ہوئی تھی کہ اسے یونسکو (UNESCO) کا ڈائرکٹر جنرل بنا دیا جائے۔ لیکن اس کے ملک نے یہ کہکر اس تجویز کو نامنظور کر دیا کہ مصر کی آنکھوں کو اس اندھے کی بڑی ضرورت ہے۔

آج اس بچپن کے اندھے کے طفیل مصر کی مختلف درسگاہوں میں قریب بیس لاکھ طالبعلم بیک وقت تعلیم کی روشنی سے اپنی آنکھیں مستنیر کرتے ہیں۔

(ماخوذ از ریڈرز ڈائجسٹ)

**طلوع اسلام** خدا کرے کہ پاکستان کو بھی کوئی اسی قسم کا بالغ نظر اندھا مل جائے جو ان تاریکیوں کو دور کر سکے جو یہاں کے آنکھوں والوں نے اس بری طرح سے پھیلا رکھی ہیں!

---

## پاکستان، غیروں کی نظر میں

(صفحہ ۱۱ سے آگے)

تک کم ہو سکیگا (گو مسٹر سہروردی کی موجودگی اس خطرناک خلا کو پر کرنے کے لئے زیادہ مفید ہوگی۔) جنرل اسکندر مرزا بھی پاکستان کے قائم مقام گورنر جنرل اور ان کا سا مزاج رکھنے والے بعض دیگر لوگ جذبات کے لحاظ سے نرم ہیں تو عمل کے اعتبار سے سخت ہیں۔ ان کے دم سے ایک سرگرم اور صاف ستھری ہئیت حاکمہ بن سکتی ہے وہ اس کے بھی ضامن ہوں گے کہ اگر پارلیمنٹ کو بھی دھکا لگے تو اس سے ملک کی کمر نہ ٹوٹ جائے۔

مسٹر غلام محمد جنھوں نے اس ہفتے جنرل اسکندر مرزا کے لئے اپنی جگہ خالی کی ہے، ۱۹۵۱ء میں گورنر جنرل بنتے وقت بھی اچھی صحت کے مالک نہیں تھے۔ لیکن اس مریض نے جس معقولیت اور جرأت سے اپنی قوت کا استعمال کیا وہ حیرتناک ہے۔ ان کے دلیرانہ احکام نے جو سرگوشیوں میں جاری ہوئے کئی سیاسی طوفانوں کو خاموش کر دیا۔ دوسروں کی طرح وہ بھی جانتے تھے کہ پاکستان کے ابتلاء کا دور ہنوز ختم نہیں ہوا کم از کم ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ناؤ ٹھہرے ہوئے پانی میں داخل ہو گئی ہے۔ ایسی توقع شاید اس وقت کی جا سکے جب عمومی انتخابات منعقد ہو جائیں گے۔ یہ آئندہ سال کے خاتمے سے پہلے ممکن نظر نہیں آتا۔ اس کے باوجود اب جبکہ خرابی صحت کی بنا پر مسٹر غلام محمد اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے ہیں (وہ) انھیں اس کا اطمینان ہونا چاہئے کہ انھوں نے پاکستان کو آزادی بھی عطا کی اور استواری بھی۔ اس کا معاشی بخار اتر چکا ہے اور بخار کے بعد کی کمزوری بھی رفع ہو رہی ہے۔ اس کے سیاسی مستقبل پر بے یقینی کے جو پہرے پڑ گئے تھے وہ ایک ایک کر کے اٹھ رہے ہیں۔ اور وہ اپنا جانشین ان افراد کو چھوڑے جا رہے ہیں جن کے سپرد یہ فریضہ ہے کہ کشتی ملت کو ایک طرف جمود اور انتشار کے خطرے سے بچائے جائیں اور دوسری طرف اسے آمریت کی موجوں کے حوالہ نہ کر دیں۔ آخر الذکر صورت نظری اعتبار سے شاید ترقی پسندانہ دکھائی دے لیکن اس سے ان اعتدال پسندانہ جذبات کی تسکین نہیں ہوگی جو قائدین اور عوام دونوں میں یکساں پائے جاتے ہیں۔ مسٹر غلام محمد نے کشتی ملت کو اس سفر کے لئے تیار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اب باد موافق بھی چلنا شروع ہو گئی ہے!


# دستور پاکستان

قرآن نظام معاشرت کا جو نقشہ پیش کرتا ہے اس کی رو سے۔

(۱) تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری حکومت کے سر ہوتی ہے۔

(۲) وسائل پیداوار پر انفرادی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وہ ملت کی مشترکہ تحویل میں رہتے ہیں۔ تاکہ مملکت ربوبیت عامہ کی کفیل ہو سکے

طلوع اسلام میں اس نظام کی تفصیل اور تشکیل سے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس پر خصوصیت سے کتاب

## "نظام ربوبیت"

میں بحث کی گئی ہے۔

اگر آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ پاکستان میں ایسا ہی نظام رائج ہونا چاہیے تو آپ مجلس دستور ساز سے مطالبہ کیجئے کہ آپ یہی اور صرف یہی نظام چاہتے ہیں

## بین الاقوامی جائزہ

(ص ۶ سے آگے)

لئے سنگمن ری کی تسلی کے لئے کچھ فوج جاپان سے لا کر جنوبی کوریا میں متعین کر دی ہے۔ اس میں مصلحت یہی ہے کہ جنوبی کوریا زیادہ شور نہ مچائے اور امریکہ کی توجہ چین کے مذاکرات سے ہٹ کر کوریا میں جذب ہو جائے۔ بعض حلقوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ڈاکٹر سنگمن ری امریکہ اور چین کے مذاکرات کو پسند نہیں کرتے اور اس کے لئے انہوں نے یہ شورش چھوڑا ہے: تاکہ ایسا ہنگامہ پیدا ہو جائے جس سے مذاکرات ناکام ہو جائیں۔ اگر یہ ہنگامہ فرو نہ ہو گیا تو ان مذاکرات پر یقیناً برا اثر پڑے گا۔ چین نے جاپان پر بھی ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں

اور جاپان نے معاہدہ امن کی مذمت کرنے کے باوجود تجارتی تعلقات کی استواری کے لئے آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ جاپان عجیب دور سے گذر رہا ہے اس کی تجارتی قریبی اور قدرتی منڈی چین ہے۔ لیکن چین سے تجارت سیاست کا اہم مسئلہ بن گئی ہے۔ کیونکہ جاپان امریکہ کا حلیف ہے اور امریکہ سے ہی وابستہ رہنا چاہتا ہے چین جاپان کے مال کا ضرورت مند ہے۔ لیکن وہ تجارت کے بہانے جاپان کو امریکہ سے علیحدہ بھی کرنا چاہتا ہے۔ جاپان تجارتی لحاظ سے چین کی طرف دیکھتا بھی ہے۔ لیکن وہ زیادہ گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کر رہا۔ اس کی بہت حد تک وجہ چین کا رویہ ہے۔ حال ہی میں چین کی طرف سے کہا گیا ہے کہ (۱) جاپان سے تاوان جنگ لینے کا حق چین کو حاصل ہے (۲) جو چھ ہزار جاپانی قیدی چین میں ہیں

وہ جاپان واپس نہیں جانا چاہتے۔ اور (۳) جو چینی جاپان میں مقیم ہیں جاپان انہیں چین واپس آنے نہیں دیتا۔ اس بیان سے جاپان میں سرد مہری پیدا ہو گئی ہے کیونکہ چین اگر اس موقف پر قائم رہا تو جاپان کو مذاکرات سے کچھ فائدہ ہونے کی بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ جاپان کا مسئلہ بہرحال اتنا آسان نہیں کہ اس کا یوں حل نکل آئے۔ چین کو اس سلسلہ میں کافی پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔

یورپ میں جرمنی کا مسئلہ بدستور لاینحل ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ شرق و غرب کی مفاہمت کا دارومدار بہت حد تک اس کے تصفیہ پر ہے ڈاکٹر ایڈینار کو ماسکو کی دعوت مل چکی ہے اور وہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں لیکن ایسے نظر آ رہا ہے کہ ان کے مطالبات کو روس تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ ایک تو اپنا یہ حق تسلیم کراتے ہیں کہ وہ مغرب کے حلیف رہ سکتے ہیں۔ دوسرے وہ وحدت پر بھی زور دے رہے ہیں اور روس کی تحویل میں جرمن قیدیوں کی واپسی پر بھی مصر ہیں بہرحال ماسکو جانے کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ روس بالآخر جرمنی کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتا ہے؟


**اسلامی معاشرت**

مسلمانوں کے عادات و اخلاق کا خاکہ

قیمت ——— دو روپے



# مطبوعات طلوع اسلام

**معراج انسانیت** — از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش ——— قیمت — بیس روپے

**ابلیس و آدم** — از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے تقرثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۷۰۰ صفحات ——— قیمت ——— آٹھ روپے

**قرآنی دستور پاکستان** — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

**اسلامی نظام** — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۲۰۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

**سلیم کے نام** — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات ——— قیمت چھ روپے

**قرآنی فیصلے** — روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات قیمت ——— چار روپے

**اسباب زوال امت** — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

**جشن نامے** — ایسے منوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر ساتھ سالہ دور آزادی کی مسخ ہوئی تاریخ۔ ۲۵۶ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

**مزاج شناس رسول** — کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہے؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۰ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

**مقام حدیث** — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یک جا نہیں ملیں گی دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

**فردوس گم گشتہ** — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۴۲ صفحات ——— قیمت چھ روپے

**نوادرات** — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

**اسلامی معاشرت** — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر پہلو قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

**نظام ربوبیت** — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت، کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔

قیمت قسم اول ——— چھ روپے　قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

**اقبال اور قرآن** — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ دست کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ ——— قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۱۴۳۔ کراچی

# نقد و نظر

**تازیانے** ضخامت دوسو اٹھاسی صفحات سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت مجلد تین روپے ملنے کا پتہ۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

یہ کتاب عربی کی ایک کتاب "المنبہات" کا ترجمہ ہے جس کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی تصنیف ہے تاہم ناشر صاحب نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ وہ زین القضاۃ احمد بن محمد الحجی کی تصنیف ہے۔ اس میں حکمت و موعظت سے متعلق بہت سی کام کی باتیں آگئی ہیں جو رسول اللہ صلعم اور حضرات صحابہ اور بزرگان دین اور حکمائے عالم کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ جہاں تک اس نسبت کا تعلق ہے ناشر صاحب کو خود ہی اعتراف ہے کہ اس کتاب میں متعدد ایسی روایات بھی آگئی ہیں جو محض واعظانہ ہیں اور شاید صحت کے معیار پر پوری نہ اتر سکیں۔ اس حیثیت سے قطع نظر جہاں تک حکمت و موعظت کا تعلق ہے اس میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں بعض بہت کارآمد باتیں آگئی ہیں۔ عربی آموز طلبا کے لئے ان کا مطالعہ یقیناً مفید ثابت ہوگا۔ کتابت و طباعت گوارہ ہے۔ مگر کاغذ معمولی ہے۔

**سیرت پاک** ضخامت ۱۹۲ صفحات۔ تقطیع خورد۔ قیمت مجلد ایک روپیہ ۲ آنے۔ ملنے کا پتہ۔ کارخانہ تجارت کتب بالمقابل آرام باغ۔ فریر روڈ کراچی

بچوں کے لئے چھوٹی تقطیع کی ایک مختصر سی سیرت رسولؐ ہے جو بشیر محمد شارق صاحب دہلوی کی ترتیب دی ہوئی ہے جہاں تک ترتیب اور انداز تحریر کا تعلق ہے۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ کتابت گوارہ ہے لیکن بچوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔ کاغذ سفید کرناٹلی ہے۔ مگر طباعت کچھ بہتر ہوتی تو اچھا تھا

**ہفتہ وار "دلچسپ" مدراس** یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔ جو مدراس سے زیر ادارت محمد اسمٰعیل عبد الکریم سیٹھ شائع ہوتا ہے اس کا ایک پرچہ مورخہ ۳ر جولائی ۱۹۵۵ء ہمارے زیر نظر ہے۔ ضخامت اٹھائیس صفحات ہے۔ مضامین میں تنوع ہے۔ زیادہ تر مضامین دیگر اخبارات و رسائل سے ماخوذ ہیں۔ مگر مدراس جیسے شہر سے اردو کا ایک ہفتہ وار اخبار نکالنا بہت ہمت کا کام ہے۔ اور اس کے لئے ہم اس اخبار کے منتظمین کو درخور مبارکباد سمجھتے ہیں

**امیر اندلس** ہماری تاریخ نے عزم و شجاعت کے اعتبار سے جو نامور ہستیاں پیدا کی ہیں۔ ان میں امیر عبد الرحمٰن بانی سلطنت اندلس کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ یہ حزن ناساعد حالات میں اپنے وطن سے نکلا اور جن جانکاہ مشقتوں کے بعد اس نے اندلس جیسی دور دراز سرزمین میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی وہ تاریخ کا نمایاں کارنامہ ہے۔ زیر نظر کتاب میں اسی امیر اندلس کے سوانح حیات ایک ناول کے انداز میں پیش کئے گئے ہیں اس انداز کا نتیجہ ہے کہ واقعات میں افسانوی رنگ آگیا ہے لیکن اس سے کتاب کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ اس کے مصنف علی اصغر چوہدری ہیں۔ اور ناشر انار کلی کتاب گھر لاہور۔ طباعت، کتابت عمدہ۔ کاغذ سفید ضخامت اڑھائی سو صفحات۔ قیمت مجلد مع گرد پوش چار روپیہ۔

**ماہنامہ عفت** مقام اشاعت۔ ادارہ خواتین اچھرہ لاہور قیمت سالانہ پانچ روپے فی پرچہ آٹھ آنے چھوٹے سائز پر ۴۸ صفحات کا ایک زنانہ ماہوار رسالہ ہے مضامین زیادہ تر تہذیب جدید کے خلاف احتجاج پر مبنی ہیں اور بہت پھیکے ہیں مثلاً ابتدا میں ایک افسانہ ہے "چلتے دیئے" جو ایک مغرب زدہ خاتون سے متعلق ہے جو بعد میں پردہ نشین ہوگئیں اور ان کے شوہر جو ایک ڈاکٹر (پی، ایچ، ڈی) ہیں وہ چہرہ پر ڈاڑھی رکھنے لگے ہیں مگر افسانہ نگار نے اس اہم تبدیلی کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔

ایک دوسرا مضمون "بڑا وقت" ہے جس میں تعلیم نسواں کی محض اس بنیاد پر مخالفت کی گئی ہے کہ لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں کافی عمر صرف ہو جاتی ہے اور پھر انہیں اچھا بر نصیب نہیں ہوتا، کتابت، طباعت اور کاغذ بہتر ہے

بچوں کی صحت کا محافظ جس میں اب پانچ ضروری حیاتین شامل ہیں

ہمدرد ترقی کا قائل ہے۔ اور یہی سب سے اچھی روایت ہے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں ہم طب میں نئے انکشافات سے بھی کام لے رہے ہیں تاکہ اس فن کو اور زیادہ مفید بنایا جا سکے اور صحیح معنوں میں ایک ترقی یافتہ اور ترقی پذیر علم ثابت ہو سکے۔

نونہال میں حیاتین (وٹامنز) شامل کر دیئے گئے ہیں اور اب نونہال بچوں کے لئے پہلے سے بھی زیادہ فائدہ مند بلکہ لازمی ہوگیا ہے کیونکہ بچپن میں اچھی صحت اور جسمانی نشوونما کے لئے ان اجزائے خوراک کی مسلسل ضرورت رہتی ہے۔

ہمدرد

# باب المراسلات

## انقلاب آفریں حالات!

ایک صاحب بصیرت دوست جن کے دل میں اسلام اور پاکستان کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، چند دن سے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ وہاں کے تاثرات اسطرح لکھتے ہیں

کوئی تین ہفتہ ہوگئے۔ جو دیکھا اس پر تعجب نہیں لیکن روح کا زخم گہرا ہوتا جا رہا ہے یہ سادہ دل با مروت پرخلوص بندے معاشرہ کی بدحالی سے پست اقوام کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔ اکثر خیال آتا ہے خدایا کیا یہ وہی سرزمین ہے جہاں علامہ اقبال نے قرآن کی شمع روشن کی تھی جہاں پرویز نے جنم لیا اور باد مخالف کے باوجود وہ کتاب اللہ کا کنول جلائے ہوئے ہے، جہاں میں مقیم ہوں وہاں ایک نامکمل سی مسجد ہے جس پر ۸ ہزار خرچ ہو چکا ہے لیکن اسی مسجد کے سابقہ امام مرحوم کی بیوہ مع ایک اپاہج بچے کے روٹی کو محتاج ہے۔ اور کوئی خبر نہیں لیتا۔ کوئی اس کو اہمیت بھی نہیں دیتا۔ آخر وہ کون تقوٰی ہے جس پر کسی مسجد کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور ان سجدوں منبروں اور محرابوں سے کیا حاصل اگر خدا کی محبوب ترین مخلوق کا ایک فرد بھی بھوکا ہے لیکن ایک خلقت ہے کہ روایات کی گرد اور تعلید کی دھول میں لپٹی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ پانچ وقت اللہ اکبر کہتی ہے لیکن نہیں جانتی کہ اللہ اکبر کی توثیق اس معاشرہ کے ذریعہ ہی ہوتی ہے جس کی اساس خدا کے قانون پر ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک قافلہ ریگستان میں بھٹکتا چلا جا رہا ہے۔ بلا منزل، بلا مقصد، قرآن کا ذکر کرو تو اسلاف سے عقیدت جتلاتے ہیں۔ نماز کی حقیقت تو ادائے رسم سے مطمئن نظر آتے ہیں۔ ۹ کروڑ کی اس آبادی میں کوئی مرد رشید نہیں اٹھتا جو انسانیت کو اس بار سے آزاد کرے۔ بعض مرتبہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو بے اختیار حالی کی مناجات کا یہ مصرع ذہن میں آتا ہے۔

اے خاصۂ خاصان رسُل وقت دعا ہے۔

معاشی اور معاشرتی ابتری کا حال نہ پوچھئے۔ ہر شعبہ میں ایک جانسوز ابتذال ہے۔ بس وقت پر نہیں چلتی۔ چیز قیمت پر نہیں ملتی۔ دوا بے اثر۔ دعائیں بے ثمر، میں اپنی سی کئے جاتا ہوں لیکن ایک دن ڈر ہے یہ پھوڑا پھوٹ جائیگا اور آپ شائد مجھے ایک مکمل انقلابی پائیں۔ عقل آخر کب تک ساتھ دیگی

## طلوع اسلام

ضرور انقلابی بنیئے کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ لیکن قرآنی انقلاب کے داعی جس میں خود عقل ہی انقلاب کی اساس بن جاتی ہے اور جس کا نتیجہ بلا تخریب تعمیری ہوتا ہے

---

## طلوع اسلام کا چندہ

ایک صاحب جنھوں نے اپنا نام اور پتہ نہیں لکھا، تحریر فرماتے ہیں۔

میں طلوع اسلام ہفت روزہ کے بارہ میں اپنے ناقص خیالات ایک مشورہ کے طور پر پیش کرتا ہوں توافق یا تضاد کا آپ کو اختیار ہے ہی۔

طلوع اسلام کوئی ایسا مسلک پیش نہیں کر رہا جس کے پس پردہ ذاتی مفاد یا انفرادی منفعت ہو اور نہ ہی اپنی جاذبیت یا مقبولیت کے لئے عوام کے رجحان کا خیال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عوام کا مجلہ نہیں بلکہ انسانوں کے ایک مختصر سے گروہ کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اور ایسے انسان ہر دور میں نایاب یا بہت ہی کم ہوتے ہیں جو ایک عالمگیر مسلک کے لئے پیہم جدوجہد جاری رکھنا اپنا مقدس فریضہ سمجھتے ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد طلوع اسلام نے جو کام کیا وہ اہل بصیرت ہی جانتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس ادارہ کی مالی کمزوریوں کا احساس بھی ضرور تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ چھ روپے (سالانہ چندہ) ادارہ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ مگر "ادارہ" چونکہ جفا طلبی اور جانفشانی سے حالات کی انتہائی ناسازگار صورت میں بھی اپنے فرائض سے عہدہ برا ہوتا رہا اس لئے اس سلسلہ میں دست معاونت دراز کرنیوالوں میں سے بھی چند ہی جانثاروں نے رسالہ کا چندہ بڑھانے کی تجویز پیش کی ہوگی۔

حالات کی رفتار کے ساتھ رسالہ کا ہفتہ وار ایڈیشن واقعی ناگزیر تھا اور یہ بھی درست ہے کہ طلوع اسلام ہفت روزہ کا سالانہ چندہ گزشتہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بہت کم رکھا گیا تھا جسے اب یک لخت بڑھا کر پندرہ روپیہ کر دیا گیا ہے۔ اور یکم اگست سے یہ ترمیم عمل میں لائی گئی۔

اس سلسلہ میں میری ذاتی رائے ہے کہ:-

طلوع اسلام صرف اونچے طبقہ تک ہی محدود ہو کر رہ جائیگا۔ اور وہ لوگ جو محدود معاشی ذرائع کے مالک ہیں اس بار کو ناقابل برداشت سمجھکر ہمت ہار جائیں گے۔ حالانکہ جن لوگوں کے دلوں میں یہ آواز جلد اترتی ہے وہ مفلوک الحال اور پسماندہ زندگی بسر کر رہے ہیں ورنہ جو لوگ آج عیش کی زندگی گزار رہے ہیں ان کے لئے ذہنی انقلاب کی ضرورت ہے نہ معاشی ناہمواریوں کا سدباب لازمی

علاوہ ازیں۔ ابھی تک یہ آواز صرف پاکستان کے ہر کونے تک اچھی طرح نہیں پہنچ سکی۔ حالانکہ اس کے مستحق اس مملکت میں بسنے والے انسان ہی نہیں بلکہ ہر انسان بلا تفریق ملک و ملت ہے۔

اس لئے ادارہ کی معاشی مشکلات کا حل چندہ کے اضافہ سے نکالنا میرا خیال ہے مفید نہ ہو سکے گا بلکہ ان مجبوریوں کو دور کرنے کے لئے اگر غیر مشروط طور پر ہی مدد مانگی جاتی تو آپ کی مجبوریوں کا علاج ہو جاتا۔ چونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو قرآن کی عظمت کو سمجھتے ہیں۔ وہ جس طرح حدیث اور قرآن کی تفریق پر غور کر رہے ہیں اسی طرح طلوع اسلام اور جماعت اسلامی کے لٹریچر کا توازن کر رہے ہیں۔

اندریں حالات اپنی مجبوریوں کو مزہبائے طلوع اسلام کی وساطت سے یا معاونت سے دور کیجئے جو لوگ مشن کا پرچار کرتے ہیں ان کا لٹریچر ہمیشہ سہل الحصول ہوتا ہے۔ اسلئے طلوع اسلام کے بڑھتے ہوئے خریداروں کو روکنے کے بجائے رسالہ کی قیمت کو یا تو بحال رکھا جائے اور یا بارہ روپے سالانہ کر دیا جائے۔ ورنہ طلوع اسلام کی خریداری کی رفتار انتہائی مایوس کن صورت اختیار کرے گی۔ وہ لوگ جو بھوک کی وجہ سے قوت سامعہ ہی کھو بیٹھے ہیں وہ اتنا مہنگا لٹریچر شائد ہی خرید سکیں ذرا غور فرمائیے کہ یہ کہاں تک درست حقیقت ہے۔

ہمارے آزاد کشمیر میں یہ ایک غیر مانوس آواز ہے جسے ملّا انتہائی زور سے باہر دھکیلنے میں مصروف ہے۔ ایسے حالات میں طلوع اسلام کو زیادہ سے زیادہ سہل الحصول ہونا چاہیئے تاکہ وہ بجلی کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ دیئے کی مدد سے بھی پڑھا جا سکے۔

(ایک ہم خیال)

## طلوع اسلام

اگر آپ ہم سے پوچھیں تو طلوع اسلام جس مشن کو لیکر اٹھا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ پرچہ اور اس کے لٹریچر کو بلا قیمت گھر گھر پہنچایا جائے۔ لیکن ہمارے معاشی دور (AGE OF ECONOMICS) کے تقاضے یہ ہیں کہ سانس لینے تک کیلئے بھی پیسہ دیجئے۔ جنھوں نے اس مشن کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ اپنے لئے کچھ نہیں چاہتے لیکن جو کچھ قیمت پر خریدنا پڑتا ہو اس کی قیمت بہر نوع ادا کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے پرچہ کا چندہ اور لٹریچر کی قیمت لی جانی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ آپ تصور نہیں فرما سکتے کہ ہم نے کن حالات میں چندہ بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے؟ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ بات طلوع اسلام کی زندگی اور موت تک آ پہنچی تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر طلوع اسلام کی زبان اس طرف

(باقی ص۳۱ پر)

# قرانی فکر کی نشر و اشاعت

## آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں۔

★ ★ ★


# تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی وہ گراں قدر تالیف جو تقسیم سے بیشتر ہندوستان کی اکثر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ طلوع اسلام نے جناب مولف کی اجازت خاص سے اس نایاب کتاب کو دوبارہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ آٹھ حصوں میں سے دو حصے چھپ چکے ہیں۔ پہلا حصہ سیرت الرسول پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ خلفائے راشدین سے متعلق۔

قیمت حصہ اول دو روپے<br>قیمت حصہ دوم دو روپے آٹھ آنے } علاوہ محصول ڈاک۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - ۷ - کراچی - ۳

## روٹی کا مسئلہ

انسان کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت
ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔

انسان نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بڑے جتن کئے۔ لیکن
یہ اور الجھتا چلا گیا۔

انسان نے اس کے حل کے لئے جو کچھ کیا اس سے اس کا

### بدن زندہ رہ سکا

### لیکن اس نے اپنی جان کو رہن رکھ دیا۔

اب سوال یہ ہے
کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ انسان کا بدن اور اس کی جان
دونوں سلامت رہیں۔

اس کے لئے ہمیں قرآن کیطرف رجوع کرنا ہوگا۔

### قرآن کا حل

# ☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

سیں سلیگا جوبلا شبہ دور حاضرہ کی عظیم کتاب ہے۔

قسم اول : کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھہ روپے
قسم دوم : کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۷۲۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Musid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM